اسلام

بیسویں صدی میں

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سعید پبلیکیشنز، رامپور، یوپی، انڈیا

سلسلہ مطبوعات سعید پبلی کیشنز ——— (۱)

اسلام بیسویں صدی میں

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

سعید پبلی کیشنز ○ رامپور — یوپی، انڈیا

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

پنجاب یونیورسٹی
کے سالانہ میگزین "المیزان" کے معاون ایڈیٹر
کے تحریری سوالات — اور
مولانا مودودیؒ کے تحریری جوابات
گراں قدر علمی اور تحریکی تحفہ
تحریکِ اسلامی سے وابستہ نوجوانوں
کی نذر ہے۔

ناشر	سعید پبلی کیشنز رام پور، یوپی
مطبع	شیروانی آفسٹ پرنٹرز دہلی ۶
تعداد	دو ہزار
قیمت	تین روپے
پہلا ایڈیشن	جون ۱۹۸۰ء

فہرست

عرضِ ناشر	سعید اختر خاں	۵
کلماتِ تعارف	محمد یوسف اصلاحی	۶
سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ (مختصر تعارف)	〃 〃 〃	۱۰
ترقی یافتہ دور کا رہنما ــ اسلام یا عیسائیت		۱۷
اسلامی نظام کے نفاذ کی رُکاوٹیں		۲۰
نظریاتی حکومت میں کلیدی منصب کا اہل		۲۳
اقلیتی فرقوں کے حقوق		۲۴
غیر مسلم اقلیتوں سے جزیہ؟		۲۴
مستشرقین، گمراہ کن لٹریچر اور اسلامی حکومت کا رویّہ		۲۷
اسلامی حکومت اور سود پر قرض		۲۹
پگڑی، گڈول، دلالی، کمیشن کے لئے اجتہاد		۲۹
اسلامی قوانین کے نفاذ میں تدریج		۳۲
اسلامی عدالتی نظام میں وکلاء کی حیثیت		۳۵

ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کی سزا؟	۳۲
اجتہاد کے پانچ اصول	۳۷
اسلامی حکومت اور عملِ اجتہاد	۳۷
شیعہ ائمہ کے اجتہاد کی حیثیت	۳۷
اجتہاد کی بُنیاد الفاظ یا اسپرٹ	۴۲
مویشی نہ ہونے کی صورت میں قربانی کا حکم	۴۲
زکوٰۃ ٹیکس نہیں رُکن دین ہے	۴۵
جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنے کا طریقِ کار	۴۶
نظامِ مملکت میں فوج کا مقام	۴۶
اسلامی حکومت میں خواتین کا مقام	۴۹
اسلام اور مخلوط سوسائٹی	۴۹
عورت اور ریاست کی ذمہ داریاں؟	۴۹
عریاں فلمیں، مقابلۂ حُسن، ثقافتی محفلیں	۵۴
فحش گانے اور اسلامی حکومت کا اندازِ اصلاح	۵۴
اسلام اور برتھ کنٹرول	۵۹
لاش کی چیر پھاڑ اسلامی نقطۂ نظر سے	۶۱
زندگی میں آنکھوں کا عطیہ	۶۱
خدمتِ خلق کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی	۶۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

آج سے بیس سال پہلے سنہ ۱۹۶۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لا کالج لاہور کے سالانہ میگزین المیزان کے معاون ایڈیٹر صاحب نے اسلام بیسویں صدی کے عنوان کے تحت کچھ اہم علمی تحقیقی اور اجتہادی سوالات تحریری طور پر برِّ صغیر کے اصحابِ بصیرت علماء کی خدمت میں بھیج کر تحریری جوابات طلب کئے تھے۔ ملّت کے قابلِ فخر علماء نے نہایت شرح وبسط کے ساتھ ان سوالات کے جوابات سپردِ قلم کئے تھے ——— مگر کسی وجہ سے اس وقت یہ جوابات لا کالج لاہور کے سالانہ میگزین میں شائع نہ ہو سکے تھے، البتہ بعد میں یہ ایک مجموعے کی شکل میں ادارۂ اوراقِ زرّیں لاہور سے شائع ہوئے ——— ہم اپنے قابلِ احترام رفیق جناب سلیم منصور خالد صاحب کے تہ دل سے شکر گزار ہیں کہ انہی کے مخلصانہ تعاون سے ہم یہ سوالات وجوابات کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، ہم نے سوالات کے ساتھ صرف مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے جوابات ہی نقل کئے ہیں — ہمیں امید ہے یہ کتاب اہلِ فکر ونظر میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جائے گی — اور ملّت کے بیدار مغز نوجوان اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے ———

سعید اختر خاں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلماتِ تعارف

بیسویں صدی کے اس ترقّی یافتہ دَور میں روزافزوں عملی مسائل کو کامیاب طریقے پر حل کرنے اور موجودہ بے دین اور الحاد زدہ معاشرے کو روحانی سکون بہم پہنچانے کی صلاحیت اگر کسی نظام میں ہے تو وہ "صرف اسلام" ہے جو کائنات کے خالق نے روزِ اوّل سے، انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اور ہر دور میں خدا کے نمائندے، نبی اور رسول اس کی تجدید کرتے رہے ہیں، اور سب سے آخر میں اپنی انتہائی مکمل شکل میں خدا کے آخری رسول حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو پیش کیا، اور اپنے قول و عمل سے اس کی ایسی تشریح و توضیح فرمائی کہ اب رہتی زندگی تک کسی دوسرے نبی یا رسول کے آنے کی ضرورت نہیں، اسلام ہی وہ واحد دین اور نظامِ زندگی ہے، جو رہتی دُنیا تک، پورے نوعِ انسانی کا دین بننے اور ہر طرح کے پیدا ہونے والے حالات و مسائل میں انسانیت کی قابلِ اعتماد رہنمائی کرنے کی حقیقی صلاحیت رکھتا ہے۔

بے شک یہ ایک بہت بڑا دعویٰ ہے اور علم و اجتہاد کے موجودہ روشن دور میں اس قسم کا دعویٰ کرنا، اور مضبوط دلائل، اطمینان بخش توجیہات اور بصیرت افروز

حقائق کے ساتھ ہر چیلنج کو قبول کرنا بڑے حوصلے اور ہمت کا کام ہے۔

بیسویں صدی میں مغربی علوم کے عام غلبے، اسلام اور مغربی فکر کی آویزش مغربی مفکرین کے مسلسل فکری کاوش و اجتہاد، اور زوال کے مارے علماء دین کے فکری جمود و تعطل نے بے شمار ایسے پیچیدہ سوالات اُبھار دئے ہیں کہ آج کا ہر روشن دماغ اور تعلیم یافتہ طالب علم بجا طور پر ان کا اطمینان بخش جواب چاہتا ہے، وہ جواب نہیں جس کا حاصل محض زبان بند کرنا ہو اور جس کی پشت پر فکر و استدلال کے بجائے محض ٹھٹھری ہوئی عقیدت اور تقلیدی علم کا رُعب ہو، بلکہ وہ جواب چاہتا ہے جو دل کے دریچے کھول دینے والا، فکر و نظر کو اطمینان بخشنے والا اور سینے کو یقین کی ٹھنڈک دینے والا ہو اور جس سے یہ حقیقت سامنے آئے کہ اسلام صدیوں پہلے کا محض یادگار اور گرد آلود دین نہیں ہے، بلکہ ایک زندہ اور تابندہ نظامِ زندگی ہے، جو آج کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، آج کے دَور کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، انسان کے عملی مسائل سے نبٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور زندگی کے کسی میدان میں بھی بیچارگی محسوس نہیں کرتا، ہماری خوش نصیبی ہے، کہ خدا نے اس بیسویں صدی میں اسلام کی نمائندگی، اس کی بہترین وضاحت و وکالت کے لئے برِصغیر کے اندر ایک ایسی قد آور شخصیت کو پیدا فرمایا، جس کے عظیم کارناموں، بے مثال علمی اور دینی خدمات اور وقیع انقلابی لٹریچر کو صدیوں تک ملت یاد رکھے گی اور اس سے فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

مولانا مودودی مرحوم و مغفور عالمِ اسلام کے وہ عظیم مفکر اور قائدِ تحریک تھے

جو قدیم وجدید علوم پر یکساں مجتہدانہ نظر رکھتے تھے، اسلام کو دورِ حاضر کی ذہنی اور فکری ساخت اور ضرورت کے پیش نظر پیش کرنے کی بے مثال صلاحیت رکھتے تھے، خدا نے انھیں ہر پیدا ہونے والے سوال کے سمجھنے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا بہترین ملکہ عطا فرمایا تھا، اور زبردست استدلالی قوت، بے پایاں سوزِ دروں قابلِ رشک دعوتی تڑپ، مقصد کا گہرا شعور، اپنے مشن سے والہانہ لگاؤ اور یکسوئی، فکر و نظر کی وسعت، اور دل نشیں اندازِ بیان کی بہترین صلاحیتوں اور جوہروں سے بھی نوازا تھا، اس مختصر کتاب میں آپ مولانا مرحوم کی ان غیر معمولی صلاحیتوں اور جوہروں کی کچھ جھلک دیکھ سکیں گے۔ اور بقامت کہتر بقیمت بہتر کے مصداق آپ محسوس کریں گے کہ مولانا مودودیؒ کی یہ مختصر کتاب بہت سی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔

سنہ ۱۹۶۰ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور کے قانون کالج (LAW COLLEGE) کے سالانہ میگزین المیزان کے معاون ایڈیٹر نے "اسلام بیسویں صدی میں" کے زیرِ عنوان کچھ تفصیلی سوالات برصغیر کے جید اور بالغ نظر علماء کی خدمت میں روانہ کر کے ان سے تحریری اظہارِ خیال کی درخواست کی تھی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مرحوم نے بھی ان سوالات کے مفصل اور شافی جوابات دئے تھے، یہ جوابات اُس وقت کسی وجہ سے لا کالج کے اس مجلّے میں تو شائع نہ ہو سکے تھے، البتہ ایک سال بعد سنہ ۱۹۶۱ء میں ادارہ اوراقِ زرّیں لاہور نے ایک مجموعے کی صورت میں یہ سوالات اور جوابات شائع کئے تھے،

اس مجموعے میں سوالات کے ساتھ صرف مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے

جوابات شائع کئے جارہے ہیں۔

ہمیں وثوق ہے کہ یہ کتاب عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے بالعموم اور کارکنانِ تحریکِ اسلامی کے لئے بالخصوص بہت مفید ہوگی۔ اور مختلف ملکوں میں، تحریکِ اسلامی سے وابستہ نوجوانوں کے لئے تو یہ بفضلہ انتہائی گراں قدر تحفہ ثابت ہوگا۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس مجموعے کو شرفِ قبول بخشے، تحریک اسلامی کی راہ ہموار کرنے اور اس کے لئے دلوں کو کھولنے کا بہترین ذریعہ بنائے اور اس کی ترتیب و طباعت میں حصہ لینے والے سب ہی مخلصین کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین۔

محمد یوسف اصلاحی

دوشنبہ ۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

۷ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(مختصر تعارف)

برِّصغیر میں بڑی بڑی ہستیاں پیدا ہوئیں، اور ہر میدان میں انہوں نے وہ زندۂ جاوید کارنامے انجام دئے جو رہتی زندگی تک روشن رہیں گے، لیکن مولانا مودودیؒ کی شان ہی نرالی تھی، مولانا مودودیؒ کو جو مقبولیت، پذیرائی، اور شانِ قیادت حاصل ہوئی پچھلی چند صدیوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی،

لاہور میں مولانا محترم کی نمازِ جنازہ میں عقیدتمندوں کا بے مثال ہجوم، نوجوانوں کا جگر خراش غم واندوہ اور پورے عالمِ اسلام میں ماتم کی بدلیاں گواہ ہیں کہ خداوندِ عالم نے عالمِ اسلام کے دلوں میں ان کے لئے محبت وعظمت بھر دی تھی۔ قرآن بھی اس محبت وعقیدت پر گواہ ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم)

یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمٰن ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا

اپنوں نے بھی ان کے ساتھ زیادتیاں کیں، پرایوں نے بھی ان کو بے وزن کرنا

چاہا۔ دین کے اجارہ داروں نے بھی ان کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی، فتووں کی بوچھار سے انہیں اڑانے کی ناکام کوشش کی، اقتدار کے نشے میں مست بداندیشوں نے بھی ناقابلِ فہم الزامات لگائے، سزائیں دیں، دھمکیاں دیں، سازشیں کر کے ملک و ملت کا غدار ٹھیرانے کی ناپاک کوششیں کیں، اور آسمان کی آنکھ نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اپنی دین و دُنیا خراب کرنے والوں نے ان کے چراغِ ہستی کو گل کرنے کی گستاخی بھی کرنی چاہی، لیکن خدا کو ان سے کام لینا تھا، انہیں وہ عزم و حوصلہ عطا کیا، کہ ناقابلِ تسخیر چٹان سے تیز و تند موجیں بار ہا ٹکرائیں اور سر پٹک کر پاش پاش ہو گئیں۔ خدا نے اپنے بندے کی عزّت و عظمت کو اور دو بالا کیا، اور کینہ دوزوں کو وہ وہ عبرتناک، اور شرمناک سزائیں ملیں، کہ نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین نے آنسو بہائے

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ (الدخان ۲۹)

پھر نہ آسمان ان پر رویا نہ زمین، اور ذرا سی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی۔

سورج کے روشن چہرے پر دھول اور مٹّی پھینکنے والے خود دھول میں اٹ گئے بلکہ خاک میں مل گئے مگر سورج کی تابناکی بڑھتی ہی چلی گئی۔

اللہ اکبر اس عظمت، مقبولیت، اور شانِ قیادت کا کوئی ٹھکانہ ہے! کہ ایک ایک لفظ حرزِ جاں بنایا جا رہا ہے۔ ہر ہر مجلس کی گفتگو قلم بند کی جا رہی ہے، تفریح کی مجلس ہے، یا کھانے کی، ہر ہر جملے کو ہدایت نامہ سمجھ کر نوٹ کیا جا رہا ہے، ۱۶ اور ۱۷ سال کی نوعمری کی نگارشات ڈھونڈ ڈھونڈ کر اور اخبارات کے بوسیدہ فائل تلاش کر کر کے نکالی جا رہی ہیں، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس ناپختہ عمر کی تحریروں میں بھی وہی پختگی ہے، وہی چاشنی ہے، وہی آن ہے، وہی تازگی ہے، وہی فکر کا تسلسل ہے۔ اور وہی سوز و درد

ہے، وہی بصیرت وحکمت ہے ——— ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قضاوقدر کو ان سے یہ کام لینا ہی تھا، نہ کسی دارالعلوم سے دستارِ فضیلت حاصل کی نہ کسی کالج سے ڈگری پائی نہ کسی ٹاپک پر ڈاکٹریٹ کیا، مگر ہر میدان کے ایسے شہسوار کہ ہر ایک رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، ہر قدآور اپنے کو بونا محسوس کرتا ہے، ہر ذی علم کو تابناک سورج کے سامنے اپنے علم و بصیرت کا دیا ٹمٹماتا نظر آتا ہے۔ ہر فن کے ماہر کو اپنی مہارت ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ انصاف پسند حقیقت کا اعتراف کر کے مولانا کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے اور خدا کے فیصلوں کو چیلنج کرنے والا آگ اور مٹی کے فلسفے میں اُلجھ کر حسد وجلن کی آگ میں جُھلستا رہتا ہے، اسے اس مثالی زندگی میں خیر کے پہلو بہت ہی کم نظر آتے ہیں اور اگر کبھی حقیقت کی بے پناہ قوت سے مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ کسی خیر کو تسلیم کرتا بھی ہے، تو ایسے لہجے اور ایسے انداز میں کہ اس پر شر چھایا ہوا ہی محسوس ہو،

مولانا محترم کی سب سے بڑی خوبی جس کی طرف ان کے ایک دیرینہ رفیق مولانا معین الدین صاحب محدّث گوجرنوالہ نے اپنے ایک انٹرویو میں اشارہ کیا ہے، واقعی ایک ایسی عظیم خوبی ہے جس میں مولانا اپنے تمام ہم عصروں میں نہ صرف ممتاز نظر آتے ہیں بلکہ قدرت کا شاہکار معلوم ہوتے ہیں محدّث صاحب فرماتے ہیں :۔

"مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ بہت جلد سوال کی تہ تک پہنچ جاتے تھے اور چند لفظوں میں اس کا جامع اور شافی جواب عنایت فرما دیتے تھے میں نے ایسی ہی ایک مجلس میں کہا کہ بعض مصنّفین کہتے ہیں کہ فلسفۂ اشتراکیت کی بنیاد یہ ہے کہ انسان پیدائشی مجرم اور گنہ گار ہے اگر وسائلِ پیداوار کسی انسانی فرد کے حوالے کیے جائیں تو وہ یقیناً اپنی فطرت کے مطابق معاشی استحصال اور ظلم وجبر کی راہ اختیار کرے گا۔ گویا اشتراکیت

نے انسان کے متعلق یہ تصوّر مسیحی کلیسا سے چُرالیا ہے لیکن میرا خیال ہے اشتراکیت ں کے برعکس، انسان کے متعلق نہایت خوش فہم واقع ہوئی ہے۔ اس لئے کہ پرولتاریہ آمریت کا دور اشتراکی فلسفے میں ایک عبوری دور ہے جس کے ذریعے سرمایہ دارانہ نظام کے بچے کھچے اثرات کا قلع قمع کیا جائے گا اور بین الاقوامی اشتراکی انقلاب برپا کیا جائے گا اس میں پرولتاریہ آمریت خود بخود مستعفی ہو جائے گی کوئی حکومت باقی نہیں رہے گی۔ آزادیٔ مطلق کا دور دورہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہی نکلتا ہے کہ انہیں انسانیت کے متعلق یہی خوش فہمی ہے کہ ایک ایسا دور آسکتا ہے جب اجتماعی نظام اور قانون کی حکمرانی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی آپ کا اس ضمن میں کیا خیال ہے؟

مولانا نے میری بات خاموشی سے سُنی اور فرمایا، دراصل دونوں نقطہ ہائے نظر غلط ہیں اشتراکیت کے نزدیک انسان میں فطرت نام کی کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

ایک اور ملاقات میں میں نے عربی اور دینی مدرسوں میں انحطاط پذیر معیارِ تعلیم پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ مولانا! سو میں سے بمشکل ایک یا دو آدمی ایسے نکل سکتے ہیں جو ان کتابوں کو پڑھا سکیں جو انہوں نے پڑھی ہیں اس سلسلے میں نے انہیں ایک واقعہ سنایا کہ دورۂ حدیث کے ایک طالب علم نے جب ابو موسیٰ اشعری کا نام سُنا تو کہنے لگا کہ حضرت موسیٰؑ کے والد کی عمر تو بڑی لمبی تھی، رسول اللہؐ کے زمانے تک زندہ رہے۔

مولانا نے اس کے جواب میں یہ لطیفہ سُنایا کہ ایک عالم فاضل صاحب میرے پاس آئے اور پوچھا کہ مولانا حضرت عیسیٰؑ کا زمانہ پہلے ہے یا حضرت موسیٰؑ کا۔ پھر فرمایا کہ اس تصوّر کو پیشِ نظر رکھ کر کام کیجئے کہ سو آدمیوں کو پڑھاتے پڑھاتے ایک کام کا آدمی نکل آئے۔ یہ بھی فرمایا کہ جدید تعلیمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا حال اس سے

بھی خراب ہے یہاں تک کہ خود اہلِ مغرب پریشان ہیں کہ ان کے ہاں معیارِ تعلیم تیزی سے زوال کی نذر ہو رہا ہے۔

اس پر میں نے پوچھا کہ کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں کہ پوری دُنیا میں مغربی تہذیب کے اثرات فروغ پا رہے ہیں اور چونکہ وہ مادّی و حسّی تہذیب ہے ظاہری شکل و صورت اور فیشن پر زور دیتی ہے، لیکن حقیقت کے اعتبار سے کھوکھلی ہے اس لئے علم کو زوال آ رہا ہے تو میری بات کی تائید فرمائی کہ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ قضا و قدر نے اپنے خصوصی منصوبے کے تحت خصوصی صلاحیتوں سے نواز کر مولانا کو اس صدی کی قیادت کے لئے پیدا کیا تھا، جس موضوع پر بھی بولتے ایسا محسوس ہوتا کہ حق ادا کر دیا، جس طبقے کو خطاب کرتے، محسوس ہوتا کہ اس طبقے کی قیادت کے لئے ہی خدا نے ان کو وجود بخشا ہے، جس سوال کا جواب دیتے ایسا لگتا کہ دل اطمینان کی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہے، ایسی ہمہ گیر شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں، ——— پھر بہت سی پیدا ہو کر مر جاتی ہیں اور تاریخِ انسانی پر ان کی کوئی قابلِ ذکر چھاپ نہیں پڑتی لیکن مولانا اپنے کارناموں کی بدولت زندۂ جاوید ہیں، ان کی عظمت کے نقوش، ان کی عقیدت کے نشانات دلوں سے کھرچنا ممکن نہیں، وہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن وہ اپنی عظیم رہنمائی، اپنے ناقابلِ فراموش کارناموں، اپنے جاندار لٹریچر، اپنے مربوط اور صحیح فکر اور اپنی قابلِ رشک عزیمت و حُسنِ عمل کی بدولت رہتی زندگی تک یاد کئے جاتے رہیں گے ——— وہ دینی اور علمی کاموں کی اس قدر راہیں سجھا گئے، علم و اجتہاد کے اس قدر دروازے کھول گئے ہیں، اور اقامتِ دین کا ایسا ہمہ گیر اور دل کش نصب العین بتا گئے ہیں کہ دُنیا صدیوں تک ان خطوط پر کوشش و کاوش کرتی رہے گی

دین کے خدوخال نکھارتی رہے گی، اور خدمت دین کی سعادت سے سرفراز ہوتی رہے گی۔

مولانا کی تحریریں شکوہ الفاظ، علمی رُعب کے اظہار اور تکلّفات سے پاک ہیں مگر سیلاب کی تیز رو سے زیادہ ان میں زور ہے پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمام باطل مزعومات غلط افکار اور اُلجھے ہوئے خیالات کے خس وخاشاک اس سیلاب میں اس طرح بہ رہے ہیں کہ پانی کی سطح صاف شفّاف ہوتی نظر آرہی ہے اور آدمی کو اپنی منزل خواہ وہ کتنی ہی دُور ہو اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نہ صرف نظر آنے لگتی ہے بلکہ جانی پہچانی معلوم ہوتی ہے۔

مولانا مرحوم کے سامنے آپ کیسا ہی اُلجھا ہوا سوال رکھ دیں، اس کا ایسا جچا تلا، آنکھیں روشن کر دینے والا اور دل پر اثر کرنے والا جواب دیں گے، کہ آدمی قدر وعظمت کے اعتراف کے ساتھ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

انداز ایسا آسان کہ آدمی کو ہر جواب سامنے کا معلوم ہوتا ہے، اور کچھ ایسا احساس ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کے سامنے کوئی صفحہ کھلا ہوا ہے، اور وہ اس میں سے ڈھلا ڈھلایا سوچا سمجھا جانچا پرکھا اقتباس پڑھ رہے ہیں اہلِ علم وادب کی مجلس میں اسے دُہرائیے تو وہ عش عش کریں، کاغذ پر اتاریئے تو وہ ادب وعلم کا شہ پارہ معلوم ہو، سوالات کے جوابات دیکھ کر اور سن کر دل اعتراف کرتا ہے، کہ اس شخص کے سامنے نصب العین اپنی پوری رعنائی کے ساتھ ہر وقت جلوہ گر ہے، نصب العین کی راہ کا ایک ایک مرحلہ ایک ایک موڑ اس کی نگاہ میں ہے، حالات ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہیں، سوال حلال وحرام اور پاک وناپاک کا ہو تو بے بدل فقیہ، قرآن وسُنّت کے کسی علمی نکتے سے متعلق ہو تو قرآن وسُنّت میں ڈوبا ہوا مفسّر ومحدّث، قرآن وسُنّت

کے کسی حکم وہدایت کے انطباق کا ہو تو صاحب بصیرت مجتہد، سماجی اور معاشرتی مسئلہ ہو تو قابلِ فخر مصلح اور معاملہ فہم، ادب وزبان کا ہو تو بے بدل ادیب اور زباں داں، سیاست کا ہو تو میدانِ سیاست کا رعنا شہسوار، حالات کے نشیب وفراز کا ہو تو حیرت انگیز نبض شناس، تیز وتند ناساز گار موجوں سے لو ہا لینے کا ہو تو عزم واستقلال کی چٹان دعوت وتبلیغ کی بات ہو تو حکمت ودانائی کا پیکر، غرض جس پہلو سے دیکھئے "ہے کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست"۔ کوئی سوال لے کر جائیے، ایسا محسوس ہوگا کہ گویا خدا نے انہیں اسی کا جواب دینے کے لئے پیدا کیا ہے، کوئی اُلجھن لے کر جائیے، شرح صدر کی دولت سے مالا مال لوٹیں گے۔ خدا شاہد ہے کہ مولانا مرحوم ومغفور نے اپنی زندگی سے خوب خوب کام لیا، ۷۶ سال کی ایک زندگی میں وہ کام کر گئے کہ سیکڑوں زندگیاں مل کر بھی وہ کارنامے انجام نہیں دے سکتیں اور اتنا کچھ چھوڑ گئے کہ برسوں اُمّت اس سے روشنی اور فیض حاصل کرتی رہے گی ——— خدا سے دُعا ہے کہ وہ مولانا کو ان بلند درجات سے نوازے جن درجات کا ہم اس آب وگل کی محدود دُنیا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتے، اور انہیں اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز فرمائے، جس کے بعد ساری نعمتیں ہیچ ہیں، اور ہمیں بھی ان کی اور ابرار وصالحین کی معیّت نصیب فرمائے۔ آمین۔

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

محمد یوسف اصلاحی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترقّی یافتہ دور کا رہنما۔ اسلام یا عیسائیت

سوال

بیسویں صدی کے اس مُہذّب و ترقّی یافتہ دَور کی رہنمائی مذہبی نقطۂ نظر سے "اسلام" کر سکتا ہے۔ یا عیسائیت؟

(ا) کیا انسان کو سیکولرزم یا دھریت روحانی و مادّی ترقّی کی معراج نصیب کرا سکتی ہے؟

(ب) بالخصوص کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے اور ختم کرنے کی صلاحیّت کس میں ہے؟

جواب

یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اس کے ایک ایک جزو پر علیحدہ بحث کرنی ہوگی۔

(ا) جہاں تک عیسائیت کا تعلّق ہے اس دَور کی رہنمائی سے وہ پہلے ہی دستبردار ہو چکی ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ کسی دَور میں بھی انسانی تہذیب و تمدّن کی رہنمائی نہیں کر سکی ہے۔ عیسائیت سے مُراد اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وہ تعلیمات ہیں جو اب عیسائیوں کے پاس ہیں تو بائبل کے عہدِ جدید کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ وہ انسانی تہذیب و تمدّن کے متعلق کیا رہنمائی اور کتنی رہنمائی کرتی ہے؟ اس میں بجز چند مجرد (ABSTRACT) اخلاقی اصولوں کے سرے سے کوئی چیز موجود نہیں

جس سے انسان اپنی مُعاشرت اور معیشت اور عدالت اور سیاست اور قانون کے متعلق کوئی ہدایت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر عیسائیت سے مُراد وہ نظامِ زندگی ہے۔ جو جو عیسائی پادریوں نے بنایا تھا تو سب کو معلوم ہے کہ یورپ میں احیائے علوم کی نئی تحریک کے رُونما ہونے کے بعد وہ ناکام ہو گیا اور مغربی قوموں نے اس کے بعد جتنی کچھ بھی مادی ترقّی کی وہ عیسائیت کی رہنمائی سے آزاد ہو کر ہی کی ہے۔ اگرچہ اسلام کے خلاف عیسائیت کا تعصّب اور عیسائیت کے ساتھ ایک جذباتی تعلق ان میں اس کے بعد بھی موجود رہا اور اب بھی ہے۔

(۲) جہاں تک اسلام کا تعلق ہے وہ اپنے آغاز ہی سے تمدّن و تہذیب کے معاملے میں نہ صرف یہ کہ رہنمائی کرتا رہا ہے بلکہ اس نے خود اپنا ایک مستقل تمدّن اور اپنی ایک خاص تہذیب پیدا کی ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق قرآن مجید اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انسان کو ہدایت نہ دی ہو اور ان ہدایات کے مطابق علمی ادارے قائم نہ کر دیئے ہوں۔ یہ چیزیں جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں قابلِ عمل تھیں اسی طرح اس بیسویں صدی میں بھی قابلِ عمل ہیں اور ہزاروں برس آئندہ بھی انشاءاللہ قابلِ عمل رہیں گی۔ اس ترقّی یافتہ دور میں کسی ایسی چیز کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس کی وجہ سے اسلام آج نہ چل سکتا ہو یا انسان کی رہنمائی نہ کر سکتا ہو۔ جو شخص اس معاملہ میں اسلام کو ناقص سمجھتا ہو۔ یہ اس کا کام ہے کہ کسی ایسی چیز کی نشاندہی کرے جس کے معاملے میں اسلام اس کی رہنمائی سے قاصر نظر آتا ہو۔

(۱) سیکولرازم یا دہریت درحقیقت نہ کسی رُوحانی ترقّی میں مددگار ہیں اور نہ مادی

ترقی میں معراج نصیب کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے ؟ میں یہ سمجھتا ہوں کہ موجودہ زمانے کے اہلِ مغرب نے جو ترقی مادی حیثیت سے کی ہے وہ سیکولرزام یا مادہ پرستی یا دہریت کے ذریعہ سے نہیں کی بلکہ اس کے بغیر کی ہے۔ مختصراً میری اس رائے کی دلیل یہ ہے کہ انسان کوئی ترقی اس کے بغیر نہیں کر سکتا کہ وہ کسی بلند مقصد کے لئے اپنی جان و مال، اپنے اوقات اور محنتوں کی اور اپنے ذاتی مفاد کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو۔ لیکن سیکولرزام اور دہریت ایسی کوئی بنیاد فراہم کرنے سے قاصر ہیں جس کی بنا پر انسان یہ قربانی دینے کو تیار ہو سکے اسی طرح کوئی انسانی ترقی اجتماعی کوشش کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اجتماعی کوشش لازماً انسانوں کے درمیان ایسی رفاقت چاہتی ہے جس میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور ایثار ہو لیکن سیکولرازم اور دہریت میں محبت و ایثار کے لئے کوئی بنیاد نہیں ہے اب یہ ساری چیزیں مغربی قوموں نے مسیحیت سے بغاوت کرنے کے باوجود اُن مسیحی اخلاقیات ہی سے لی ہیں جو ان کی سوسائٹی میں روایتاً باقی رہ گئی تھیں۔ ان چیزوں کو سیکولرزم یا دہریت کے حساب میں درج کرنا غلط ہے سیکولرزم اور دہریت نے جو کام کیا ہے وہ یہ کہ مغربی قوموں کو خدا اور آخرت سے بے فکر کر کے خالص مادہ پرستی کا عاشق اور مادّی لذات و فوائد کا طالب بنا دیا ہے مگر ان قوموں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جن اخلاقی اوصاف سے کام لیا وہ ان کو سیکولرزم یا دہریت سے نہیں ملے بلکہ اس مذہب ہی سے ملے جس سے وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ خیال کرنا سرے سے غلط ہے کہ سیکولرزم یا دہریت ترقی کی موجب ہیں۔ وہ تو اس کے برعکس انسان کے اندر خود غرضی، ایک دوسرے کے خلاف کشمکش اور

جرائم پیشگی کے اوصاف پیدا کرتی ہیں۔ جو انسان کی ترقّی میں مددگار نہیں بلکہ مانع ہیں
(ب) کمیونزم کے سیلاب کو روکنے کی صلاحیت کسی ایسے ہی نظامِ زندگی میں ہو سکتی ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کو اس سے بہتر طریقہ پر حل کر سکے اور اس کے ساتھ انسان کو وہ رُوحانی اطمینان بھی بہم پہنچا سکے۔ جس کا کمیونزم میں فقدان ہے۔ ایسا نظام اگر بن سکتا ہے تو صرف اسلام کی بُنیاد پر بن سکتا ہے۔

اسلامی نظام کے نفاذ کی رُکاوٹیں

سوال

اگر بیسویں صدی میں بھی اسلامی نظام قابلِ نفاذ ہے تو موجودہ رجحان و نظریات کی جگہ لینے میں جو مشکلات یا موانع (HANDICAPS) درپیش ہوں گی۔ ان کا بہترین حل ابن خلدون کے ہر دو نظریۂ حکومت و ریاست یعنی "الخلافت" یا "الحکومت" کس سے ممکن ہے؟

جواب

۲۔ اس زمانے میں اسلامی نظام کو جو چیز نافذ ہونے سے روک رہی ہے اور جو رجحانات اور نظریات اس کے راستے میں سدِّ راہ ہیں ان کا تجزیہ کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ انہیں مسلمان ملکوں پر مغربی قوموں کے طویل سیاسی غلبہ نے پیدا کیا ہے۔ مغربی قومیں جب ہمارے ملکوں پر مُسلّط ہوئیں تو انہوں نے ہمارے قانون کو ہٹا کر اپنا قانون ملک میں رائج کیا۔ ہمارے نظامِ تعلیم کو معطّل

کر کے اپنا نظامِ تعلیم رائج کیا۔ تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں سے اُن سب لوگوں کو برطرف کیا جو ہمارے تعلیمی نظام کی پیداوار تھے اور ہر ملازمت ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دی جو ان۔ کے قائم کردہ نظامِ تعلیم سے فارغ ہو کر نکلے تھے۔ معاشی زندگی میں بھی اپنے ادارے اور طور طریق رائج کئے اور معیشت کا میدان بھی رفتہ رفتہ اُن لوگوں کے لئے مخصوص ہو گیا جنہوں نے مغربی تہذیب و تعلیم کو اختیار کیا تھا اس طریقہ سے انہوں نے ہماری تہذیب اور ہمارے تمدّن اور اس کے اصولوں اور نظریات سے انحراف کرنے والی ایک نسل خود ہمارے اندر پیدا کر دی جو اسلام اور اس کی تاریخ۔ اس کی تعلیمات اور اس کی روایات ہر چیز سے عملی طور پر بھی بیگانہ ہے اور اپنے رجحانات کے اعتبار سے بھی بیگانہ۔ یہی وہ چیز ہے جو دراصل ہمارے اسلام کی طرف پلٹنے میں مانع ہے اور یہی اس غلط فہمی کا موجب بھی ہے کہ اسلام اسوقت قابلِ عمل نہیں ہے۔ جن لوگوں کو ساری تعلیم اور تربیت غیر اسلامی طریقے پر دی گئی ہو وہ آخر اس کے سوا اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں کہ اسلام قابلِ عمل نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اسلام کو جانتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ جس نظامِ زندگی کے لئے وہ تیار کئے گئے ہیں اسی کو وہ قابلِ عمل تصوّر کر سکتے ہیں۔ اب لامحالہ ہمارے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو ہم من حیث القوم کافر ہو جانے پر تیار ہو جائیں اور خواہ مخواہ اسلام کا نام لے کر دُنیا کو دھوکا دینا چھوڑ دیں۔ یا پھر خلوص اور ایمانداری کے ساتھ (منافقانہ طریقہ سے نہیں) اپنے موجودہ نظامِ تعلیم کا جائزہ لیں اور اس کا پورے طریقہ سے تجزیہ کر کے دیکھیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں ہم کو اسلام سے منحرف بنانے والی ہیں اور اس میں کیا تغیّرات کئے جائیں جن سے ہم

ایک اسلامی نظام کو چلانے کے قابل لوگ تیار کر سکیں۔ یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے اور جب تک ہم اسے حل نہیں کر لیں گے اس وقت تک اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ کبھی ہموار نہ کر سکیں گے۔

ابن خلدون کے کسی نظریہ کی طرف رجوع کرنے سے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد نہیں مل سکتی کیونکہ اس مسئلہ کی جو نوعیت اب پیدا ہوئی ہے وہ ابن خلدون کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ مسئلہ کی حقیقی نوعیت یہ ہے کہ مغربی استعمار رخصت ہوتے ہوئے ہمارے ملکوں میں اُس نسل کو حکمراں بنا کر چھوڑ گیا ہے جس کو اس نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب کا دودھ پلا پلا کر اس طرح تیار کیا تھا کہ وہ جسمانی حیثیت سے تو ہماری قوم کا حصّہ ہے لیکن علمی اور ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے انگریزوں، فرانسیسیوں یا ولندیزیوں کا پورا جانشین ہے۔ اس طبقہ کی حکومت جو مشکلات پیدا کرتی ہے ان کو رفع کرنے کا معاملہ ایک پیچیدہ معاملہ ہے جسے حل کرنا ابن خلدون کے نظریات کا کام نہیں۔ اس کے لئے بڑے سنجیدہ غور و فکر کی اور حالات کو سمجھ کر اصلاح کے لئے نئی راہیں نکالنے کی ضرورت ہے۔

∴

نظریاتی حکومت میں کلیدی منصب کا اہل

سوال

اگر اسلامی نظریہ حکومت کی افادیت بین الاقوامی طور پر عوامی جمہوریت کی شکل میں تسلیم کر لی جائے تو

(ا) بالخصوص مسلم ممالک میں کیا سربراہِ حکومت (THE HEAD OF THE STATE) ایک مسلمان کے علاوہ ایک غیر مُسلم بھی (خواہ قائم مقام سربراہِ ملک کی حیثیت سے ہی) عہدہ سنبھال سکے گا؟ یا

(ب) اس وقت قانون ساز اسمبلی کا اسپیکر غیر مسلم چنا جا سکے گا؟

(ج) یا عدلیہ کے کسی منصب پر غیر مسلم فائز ہو سکے گا۔

(د) اگر اسلامی مملکت میں یہی نظم قائم رہے۔ کیونکہ تمام ڈھانچہ (SET-UP.) یک دم بدل دینا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی قابلیّت پر مذہب کو ہی ترجیح دینا اس ترقی یافتہ دَور میں مبنی بر انصاف ہوگا؟۔

جواب

۳۔ اگر اسلامی نظریہ پر کوئی حکومت قائم ہو تو اس کا سربراہ مملکت یا چیف جسٹس یا اس کی قانون ساز اسمبلی کا صدر کوئی غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنیٰ قابلیّت پر مذہب کو ترجیح دینے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ ایک نظریاتی

مملکت میں اس طرح کے مناصب صرف انہی لوگوں کو دیئے جاسکتے ہیں جو اس کے بنیادی نظریہ کو مانتے ہوں۔ نظریاتی مملکت میں قابلیت محض علمی قابلیّت کا نام نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس نظریہ کو جس پر مملکت قائم کی گئی ہے جاننا اور اس کی اسپرٹ کو سمجھنا اور ایمانداری کے ساتھ اس کو عمل میں لانا بھی قابلیّت ہی کا ایک لازمی جزو قرار دیا جاتا ہے۔ اس پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو تو ہمیں بتایا جائے کہ انگلستان میں کیا ایک رومن کیتھولک بادشاہ ہوسکتا ہے یا امریکہ میں کسی کمیونسٹ کو صدارت کا منصب دیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر ہم پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔

اقلیّتی فرقوں کے حقوق

غیر مسلم اقلیتوں سے جزیہ؟

سوال

اِسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو مثلاً عیسائی، یہودی، بدھ، جین، پارسی ہندو وغیرہ کو دیگر مسلمانوں کی طرح پورے حقوق حاصل ہوں گے؟

(۱) کیا ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ بھی اسی طرح کرنے کی اجازت ہوگی جیسا کہ آج کل دیگر مسلم ممالک میں دوسرے ملکوں کی طرح کھُلے بندوں پرچار ہوتا ہے؟

(ب) کیا اسلامی مملکت میں ایسے مذہبی یا نیم مذہبی ادارے مثلاً ادارہ مکتی فوج (SALVATION ARMY.) یا کیتھڈرل، کانونٹ، سینٹ جان و سینٹ فرانسز وغیرہ جیسے ادارے کیا قانوناً بند کر دیئے جائیں گے

(ج) کیا اس صدی میں بھی ان اقلیتی فرقوں سے جزیہ وصول کرنا مناسب ہوگا (عالمی حقوقِ انسانی کی روشنی میں بھی) جبکہ وہ نہ صرف فوج بلکہ سرکاری عہدوں پر فائز اور حکومت کے وفادار ہوں۔؟

جواب

۴۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلم گروہوں کو تمام مدنی حقوق (CIVIL RIGHTS) مسلمانوں کی طرح حاصل ہوں گے۔ مگر سیاسی حقوق (POLITICAL RIGHTS.) مُسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر سوال نمبر ۳ میں بیان کی گئی ہے۔ اسلام میں ریاست کے نظام کو چلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان اس بات پر مامور ہیں کہ جہاں بھی ان کو حکومت کے اختیارات حاصل ہوں وہاں وہ قرآن اور سُنّت کی تعلیمات کے مطابق حکومت کا نظام چلائیں۔ چونکہ غیر مسلم نہ قرآن اور سُنّت کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور نہ اس کی اسپرٹ کے مطابق ایمانداری سے کام چلا سکتے ہیں اس لئے وہ اس ذمہ داری میں شریک نہیں کئے جا سکتے البتہ نظم و نسق میں ایسے عہدے ان کو دیئے جا سکتے ہیں جن کا کام پالیسی بنانا نہ ہو۔ اس معاملہ میں غیر مُسلم حکومتوں کا طرزِ عمل منافقانہ ہے اور اسلامی حکومت کا طرزِ عمل صاف صاف ایماندارانہ — مسلمان اس بات کو صاف صاف کہتے ہیں اور اس پر عملدرآمد کرنے میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری ملحوظ رکھتے

ہوئے غیر مُسلموں کے ساتھ انتہائی شرافت اور فراخ دلی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ غیر مسلم بظاہر کاغذ پر قومی اقلیتوں (NATIONAL MINORITIES) کو سب قسم کے حقوق دے دیتے ہیں مگر عملاً انسانی حقوق تک نہیں دیتے۔ اس میں اگر کسی کو شک ہو تو دیکھ لے کہ امریکہ میں سیاہ فام لوگوں (NEGROES.) کے ساتھ اور رُوس میں غیر کمیونسٹ باشندوں کے ساتھ اور چین و ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ دوسروں سے شرما کر ہم اپنے مسلک کو صاف صاف کیوں نہ بیان کریں اور اس پر صاف صاف کیوں نہ عمل کریں۔

جہاں تک غیر مسلموں کی تبلیغ کا معاملہ ہے اس کے بارے میں یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جب تک ہم بالکل خودکشی کے لئے ہی تیار نہ ہو جائیں ہمیں یہ حماقت نہ کرنی چاہیئے کہ اپنے ملک کے اندر ایک طاقتور اقلیت پیدا ہونے دیں جو غیر ملکی سرمایہ سے پرورش پائے اور بڑھے اور جس کی پُشت پناہی بیرونی حکومتیں کر کے ہمارے لئے وہی مشکلات پیدا کریں جو ایک مدّت دراز تک ترکی کے لئے عیسائی اقلیتیں پیدا کرتی رہی ہیں۔

عیسائی مشنریوں کو یہاں مدارس اور ہسپتال جاری رکھ کر مسلمانوں کے ایمان خریدنے کی کوشش کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اپنی ملّت سے بیگانہ (DE-NATIONALISE.) کرنے کی کھلی اجازت دینا بھی میرے نزدیک قومی خودکشی ہے۔ ہمارے حکمراں اس معاملے میں انتہائی کم نظری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ان کو قریب کے فائدے تو نظر آتے ہیں۔ مگر دُور رس نتائج دیکھنے سے ان

کی آنکھیں عاجز ہیں۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم اُس حالت کے لئے دیا گیا ہے جبکہ وہ یا تو مفتوح ہوئے ہوں یا کسی معاہدے کی رُو سے جزیہ دینے کی واضح شرط پر اسلامی حکومت کی رعایا بنائے گئے ہوں۔ پاکستان میں چونکہ یہ دونوں صورتیں پیش نہیں آئی ہیں۔ اس لئے یہاں غیر مسلموں پر جزیہ عائد کرنا میرے نزدیک شرعاً ضروری نہیں ہے۔

مستشرقین، گمراہ کُن لٹریچر اور اسلامی حکومت کا رویّہ

سوال

کیا اسلامی ملک میں اُن مغربی مُستشرقین غیر مُسلم اسکالرز اور پروفیسروں کو تعلیم یا تقریر کے لئے مدعو کیا جا سکتا ہے۔ جنہوں نے اپنے نقطۂ نظر سے اسلام کے موضوعات پر کتابیں لکھتے ہوئے نہ صرف اسلام پر بے جا تنقیدی تبصرے کئے ہیں بلکہ عمداً یا کم علمی و تعصّب سے اسلامی تاریخ لکھنے میں حضورِ اکرم، اہلِ بیت، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام و ائمہ کرام (جن پر اسلام اور مسلمانوں کو فخر ہے) کی شان میں نازیبا فقرات لکھ کر ہدفِ ملامت بنایا ہے۔ مثلاً امریکی و برطانوی قابل ترین پروفیسروں کی نظر ثانی شدہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی دیگر اعتراضات کے علاوہ رسول مقبول کی ازواجِ مطہرات کو (CONCUBINES.) (لونڈیاں) لکھا ہے۔

(۱) ان میں اکثر کے یہاں آکر لیکچر او[illegible] اور ان کی تشہیر کرنے پر کیا

اسلامی حکومت بالکل پابندی عائد نہ کر دے گی ؟

(ب) ان کتابوں اور زہر آلودہ لٹریچر کی ہماری لائبریریوں میں موجودگی گوارا کی جا سکتی ہے ؟ حکومت ان کے جوابات و تردید شائع کرنے، ان کی تصحیح کرانے یا اُن سے رجوع کرانے کے لئے کیا اقدام کر سکتی ہے ؟

جواب

یہ زمانے کے انقلابات ہیں۔ ایک وقت وہ تھا کہ یورپ کے عیسائی اُندلس (SPAIN.) جا کر مسلمانوں سے انجیل کا سبق لیا کرتے تھے۔ اب معاملہ الٹا ہو گیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے حتیٰ کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے ۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں نہ صرف اسے پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے ۔ یہودیوں نے اپنی انسائیکلوپیڈیا (JEWISH ENCYCLOPAEDIA.) شائع کی ہے اور اس میں کوئی ایک مضمون (ARTICAL) بھی کسی مسلمان تو درکنار کسی عیسائی مصنّف کا بھی نہیں ہے۔ بائبل کا ترجمہ بھی یہودیوں نے اپنا کیا ہے۔ عیسائیوں کے ترجمے کو وہ ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس کے برعکس یہودی مصنفین اسلام کے متعلق مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور مسلمان ہاتھوں ہاتھ ان کو لیتے ہیں اور ان کا حق مانتے ہیں کہ ہمارے مذہب اور ہماری

فقہ اور ہماری تہذیب اور ہمارے بزرگوں کی تاریخ کے متعلق وہ محققانہ کلام فرمائیں اور ہم یہ چیزیں ان سے سیکھیں۔ یہ صورت حال کسی صحیح اسلامی حکومت میں نہیں رہ سکتی اور نہ رہنی چاہیئے اور کوئی وجہ نہیں کہ رہ سکے۔ اسلامی حکومت بھی ہو اور اسلام اور مسلمان یتیم بھی ہوں؟ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں۔ یہ رویہ مسلمانوں کی غیر اسلامی حکومت ہی کو مبارک رہے۔

۱ اسلامی حکومت اور سود پر قرض

پگڑی، گڈوِل، دلالی، کمیشن کے لئے اجتہاد

سوال

کیا اسلامی حکومت موجودہ دَور میں جبکہ ایک ملک دوسرے ملک سے قطع تعلق کر کے ترقی نہیں کر سکتا غیر ممالک سے مطلق اقتصادی، فوجی، ٹیکنیکل امداد یا بین الاقوامی بنک سے شرح سود پر قرض لینا بالکل حرام قرار دے گی؟

(ا) پھر مادّی، صنعتی زراعتی و سائنسی ترقی وغیرہ کی جو عظیم خلیج مغربی ترقی یافتہ (ADVANCED) ممالک اور مشرقی وسطیٰ بالخصوص اسلامی ممالک یا اس ایٹمی دَور میں HAVE اور HAVE NOT کے درمیان حائل ہے کس طرح پُر ہو سکے گی؟

(ب) نیز کیا اندرون مِلک تمام بینکنگ انشورنس سسٹم ترک کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

(ج) سود، پگڑی، منافع و ربح اور گڈ ول (GOOD WILL) و خرید و فروخت میں دلالی و کمیشن کے لئے کونسی اجتہادی راہ نکالی جاسکتی ہے ؟

(د) کیا اسلامی ممالک آپس میں سود، منافع، ربح وغیرہ پر کسی صورت میں قرض کا لین دین کر سکتے ہیں ؟

جواب

اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہیں کی اور نہ آج کرے گی لیکن تعلق کے معنیٰ قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں، اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے اگر کسی ملک میں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادّی ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سُدھارنے کی کوشش کرے گی۔ اخلاقی حالت سُدھارنے کے معنیٰ یہ نہیں۔ کہ قوم کے حکمراں اور اس کی انتظامی مشنری کے کارپرداز اور قوم کے افراد ایماندار ہوں۔ اپنے حقوق سے پہلے اپنے فرائض کو ملحوظ رکھنے اور سمجھنے والے ہوں۔ اور سب کے سامنے ایک بلند نصب العین ہو جس کے لئے جان، مال اور وقت اور محنتیں اور قابلیتیں سب کچھ قربان کرنے کے لئے وہ تیار ہوں۔ نیز یہ کہ حکمرانوں کو قوم پر اور حکمرانوں پر قوم کو پورا اعتماد ہو اور قوم ایمانداری کے ساتھ یہ سمجھے کہ اس کے سربراہ درحقیقت اس کی فلاح کے لئے کام کر رہے ہیں۔ یہ صورت حال اگر پیدا ہو جائے تو ایک قوم کو باہر سے سود پر قرض مانگنے کی صورت پیش نہیں آسکتی۔ ملک کے اندر جو ٹیکس لگائے جائیں گے وہ سو فیصدی وصول ہوں گے اور سو فیصدی ہی وہ قوم کی ترقی پر صرف ہوں گے۔ نہ ان کی وصولی [illegible] بے ایمانی ہوگی اور نہ اُن کے خرچ میں

بے ایمانی ہوگی۔ اس پر بھی اگر قرض کی ضرورت پیش آئے تو قوم خود سرمایہ کا ایک بڑا حصّہ رضا کارانہ چندے کی صورت میں اور ایک اچھّا خاصہ غیر سودی قرض کی صورت میں اور ایک حصّہ منافع میں شرکت کے اصول پر فراہم کرنے کو تیار ہو جائے گی میرا اندازہ یہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلدی پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لئے تیار ہو جائے۔

بالفرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی کوئی ناگزیر صورت پیش آ ہی جائے یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لئے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے، تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ملک کے اندر سودی لین دین جاری رکھنے کا پھر بھی کوئی جواز نہیں۔ ملک میں سود بند کیا جا سکتا ہے۔ اور پورا مالی نظام (FINANCIAL SYSTEM.) سود کے بغیر چلایا جا سکتا ہے۔ میں اپنی کتاب "سود" میں یہ ثابت کر چکا ہوں کہ بینکنگ کا نظام سود کے بجائے منافع میں شرکت (PROFIT SHARING.) کے اصول پر چلایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح انشورنس کے نظام میں ایسی ترمیمات کی جا سکتی ہیں۔ جن سے انشورنس کے سارے فوائد غیر اسلامی طریقہ اختیار کئے بغیر حاصل ہو سکیں۔ دلالی سود، پگڑی یا کمیشن یا گڈ ول (GOODWILL) وغیرہ کی علیٰحدہ علیٰحدہ شرعی پوزیشن ہے جب اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آئے گا۔ تو اس کا جائزہ لے کر یا تو سابق پوزیشن بحال رکھی جائے گی یا پھر ضروری اصطلاحات کی جائیں گی۔

اسلامی قوانین کے نفاذ میں تدریج

اسلامی عدالتی نظام میں وکلاء کی حیثیت

ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کی سزا؟

سوال

اِس برِّصغیر جنوبی ایشیا میں چونکہ تمام قانونی ضابطہ ہائے دیوانی، فوجداری، مالیاتی اور عمل درآمد PROCEDURAL LAWS. وغیرہ عرصہ سے ہر عدالت میں جاری وساری ہیں اور چونکہ ڈیڑھ صدی سے تمام لوگ بالخصوص جج و وکلا وغیرہ نہ صرف ان قوانین سے پوری طرح مانوس بلکہ اس کا وسیع علم رکھتے ہیں اس لئے بھی اسلامی مملکت کے قیام سے یہاں برطانوی دَور کے نظامِ عدل BRITISH RULE OF LAW. کا سارا ڈھانچہ بدلنا ممکن نہ ہوگا۔ تو کیا پھر بھی عدالتی ریفارم لائی جائیں گی جبکہ اسلامی قانون کسی پہلو سے جامع، مرتّب یا مکمّل اور مدوّن CODIFIED. نہیں ہے۔

(۱) اسلامی عدالتی نظام میں وکلاء کی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا اسی طرح [illegible] EDRAL LAWS. [illegible] انہیں مقدمہ جات لڑنے اور

مقدمہ بازی . LITIGATION کو طول دینے کا اختیار ہوگا؟

(ب) کیا اس موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی چور کے ہاتھ کاٹنے اور زانی کو سنگ سار کرنے کی سزائیں دی جائیں گی؟

(ج) کیا قاضیوں کو موجودہ نافذ قانونِ شہادت (EVIDENCE . LAW) کی مدد کے بغیر فیصلے صادر کرنے ہوں گے؟

(د) پھر بین الاقوامی قسم کے ادارے مثلاً اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کی جنرل اسمبلی، سیکورٹی کونسل، بین الاقوامی عدالتِ انصاف یا کمرشل ٹریبونل اور لیبر قوانین وغیرہ کی عمل داری، دخل اندازی یا انٹرنیشنل لا پر عمل پیرا ہونے اور ان کی من و عن قبولیت کے لئے اسلامی حکومت کا کیا رویّہ ہوگا؟

(س) اگر اسی قسم کے ادارے اسمبلی کنفیڈریشن یا اسلامی بلاک بنا کر عمل میں لائے جائیں تو ان کو کیا حیثیت حاصل ہوگی؟

(ص) کیا اسلامی قانون ساز اسمبلی کے پاس شدہ یا اجتہادی احکام کی اسلامی عدلیہ کو نظر ثانی . REVIEW) کرنے کا اختیار ہوگا؟

(ط) اسلامی ممالک اور تمام مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات کس طرح رفع کئے جا سکتے ہیں؟

جواب

اِس سوال کے جواب میں یہ بات پہلے ہی سمجھ لینی چاہیئے کہ جب انگریزی حکومت اِس ملک میں آئی تھی تو اس وقت سارا قانونی نظام (. LEGAL SYSTEM) اسلامی فقہ پر قائم تھا۔ انگریز وا[illegible] یک لخت تبدیل نہیں کیا بلکہ

انگریزی حکومت میں سالہاسال تک اسلامی نظامِ قانون ہی چلتا رہا۔ انگریز اس کو بتدریج تبدیل کرتے رہے اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنا نظامِ قانون رائج کیا۔ اب اگر ہم اسلامی نظامِ قانون کو از سرِ نو قائم کرنا چاہیں تو یہ تبدیلی بھی یک لخت نہیں، بتدریج ہوگی اور اس کے لئے بہت حکمت کے ساتھ ایک ایک قدم اٹھانا پڑے گا اسلامی قوانین اگر مدوّن (CODIFIED) نہیں ہیں تو ان کے مدوّن (CODIFY) کرنے میں کوئی دقّت نہیں ہے۔ اسی طرح اسلامی قانون کی شرحیں کثرت سے موجود ہیں۔ ان کو آسانی سے اُردو زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے۔ اور آگے نئی شرحوں کا سلسلہ چل سکتا ہے۔

اسی موجودہ ترقّی یافتہ دَور میں سعودی عرب میں زنا اور چوری کی سزائیں جاری ہیں۔ اور پورے تجربے نے تمام دُنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انہی سزاؤں کی وجہ سے سعودی عرب میں جرائم کی اتنی کمی ہوگئی ہے جتنی دُنیا کے کسی ملک میں نہیں ہے۔ اب اگر اس دَور کے ترقی یافتہ ہونے کے معنی یہی ہیں کہ جرائم میں ترقّی ہو تو بسم اللہ، مغربی قانونی سسٹم پر عمل کرتے رہیئے۔ لیکن جرائم کا انسداد بھی اگر ترقّی کے لئے ضروری ہے تو پھر یہ تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی قانون سے زیادہ کارگر کوئی قانون نہیں ہے۔ دراصل اس زمانے کی مذہبی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی ساری ہمدردیاں مجرموں کے ساتھ ہیں اسی لئے یہ نقطۂ نظر پیش کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں وحشیانہ ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ چوری کرنا کوئی وحشیانہ کام نہیں ہے۔ البتہ اس پر ہاتھ کاٹنا وحشیانہ کام ہے۔ اور زنا کا ارتکاب تو مغربی تہذیب میں ایک تفریح ہے ہی۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس خیال کا ماخذ کیا ہے کہ اسلامی قانون میں قاضیوں کو قانون شہادت (LAW OF EVIDENCE.) کی مدد کے بغیر فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے یا کوئی ایسا دستور العمل رہا ہے۔ حالانکہ خود قرآن نے قانون شہادت کے بہت سے اصول بیان کئے ہیں اور اس کی بیشتر تشریحات حدیث اور خلفائے راشدین کے فیصلوں سے ملتی ہیں۔ بالخصوص فقہا نے ان اصولوں کو نہایت محنت سے ترتیب دیا ہے اور اسلامی دور میں کوئی ایسا قاضی نہیں گزرا جس نے ثبوت کے بغیر فیصلے صادر کئے ہوں۔

وکالت کے بارے میں میرے نزدیک صرف اتنی اصلاح درکار ہے کہ قانون کی پریکٹس بند کر دی جائے اور وکلاء کو اسٹیٹ معاوضہ دے۔ اب بھی قانون کا نظریہ یہ ہے کہ وکیل کا اصل کام اپنے مؤکل کی حمایت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ عدالت کو قانون سمجھنے اور منطبق (APPLY.) کرنے میں مدد دینا ہے۔ وکالت کے پیشہ بن جانے کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے کہ وکیل عدالت کو گمراہ (MISLEAD.) کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گواہوں کو سکھاتے پڑھاتے ہیں۔ عدالت کے سامنے مقدمے کی روئداد غلط لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدمات کو طول بھی دیتے ہیں۔ اور مقدمہ بازی کو بڑھاتے بھی ہیں۔

بین الاقوامی قسم کے تمام اداروں میں ہم شریک ہو سکتے ہیں۔ ان کے اندر اگر کوئی چیز بھی ہمارے اصول کے مطابق نہ ہوگی تو ہم اس کی حد تک اپنی الگ پالیسی بنائیں گے۔ اور اسی حد تک ہماری شرکت میں استثناء ہوگا۔ مسلمان ممالک خود اپنی دولت متحدہ (.N WEALTH اتحاد (CONFEDRATION)

بنا سکتے ہیں اور اسلامی اصول کے مطابق باہمی تعلقات کے طریقے مقرر کر سکتے ہیں۔

اسلامی قانون ساز اسمبلی کے طے کئے ہوئے اجتہادی احکام پر اسلامی عدلیہ نظر ثانی (REVIEW) نہیں کر سکتی البتہ اگر وہ احکام قانون ساز اسمبلی کے اختیار سے متجاوز ہوں تو ان کو حدودِ اختیار سے تجاوز (ULTRA VIRES) قرار دے سکتی ہے۔

اسلامی ممالک اور مسلمانوں کو ایک اسٹیج پر لانے کے لئے اختلافات رفع کرنے کی صورت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ مسلمان ایمانداری کے ساتھ قرآن اور سُنّت کی ہدایات پر چلنے کے لئے تیار ہوں۔ قرآن کی تاویل اور سُنّت کی تحقیق میں اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مل کر کام کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم اس اصول کو مان لیں کہ جو شخص بھی قرآن اور سُنّت کو سند و حجّت (AUTHORITY) مان لے وہ ہماری برادری کا آدمی ہے تو یہ چیز کسی آدمی کو ہماری برادری سے خارج نہیں کر سکتی کہ وہ قرآن کے معنیٰ ہم سے مختلف سمجھ رہا ہے اور اس کے نزدیک کسی معاملہ میں سُنّت سے کوئی اور بات ثابت ہوتی ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جتنی عدالتیں بھی پاکستان کے دستور اور قانون کو واجب الاطاعت قانون مان کر کام کرتی ہیں۔ وہ سب اس ملک کی جائز عدالتیں ہیں اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ تمام عدالتوں کے فیصلے بھی یکساں ہوں۔

اجتہاد کے پانچ اصول

اسلامی حکومت اور عملِ اجتہاد

شیعہ ائمہؑ کے اجتہاد کی حیثیت

سوال

کیا "اجتہاد" کے اُس دروازے کو جسے صدیوں پیشتر بند کر دیا گیا تھا۔ آج کھولنے کی شدید ضرورت نہیں ہے ؟

(ا) اور وہ اجتہادی اصول جو آج سے ہزار سال قبل بنائے گئے تھے کیا ان کو بڑی سختی سے آج بیسویں صدی کے مسائل پر بھی نافذ کیا جائے گا ؟

(ب) حکومت اس صورت حال سے کس طرح نپٹے گی جبکہ ہر طبقۂ فکر یعنی (SUB - SECTS.) کے پیرو اپنے ائمہ کے اجتہادی احکام کو بدلنے کے خلاف ہیں اور نہایت شدّ و مد سے آج کے مسائل کے لئے بھی انہی کی تشریح و توضیح کر کے فیصلے کرنے کے حق میں ہیں ؟

(ج) اگر ہر مکتبِ فکر کے علماء کو اکثریّتِ آرا سے اجتماعی طور پر "اجماع" کے لئے مامور کیا جائے تو کیا جو "اجتہاد" اس طرح کیا گیا ہو وہ تمام مسلمانوں کے لئے قابلِ قبول ہوگا ؟

(د) کیا حکومت کو اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے پر مجبور کیا جا سکے گا ؟

(ر) خلاف ورزی اور مخالف... کہاں تک برداشت ہو سکتی ہے ؟

(س) کیا حضرت علیؓ و جعفر صادقؒ و شیعہ ائمہ کا اجتہاد اور قوانین جو نہایت مناسب ہیں تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی حکومت نافذ کر سکتی ہے ؟

جواب

یہ سوال بہت سے اصولی سوالات پر مشتمل ہے میں اس کے ایک ایک جزو کا جواب نمبر وار دوں گا۔

(۱) اجتہاد کا دروازہ کھولنے سے کسی ایسے شخص کو انکار نہیں ہو سکتا جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں ایک اسلامی نظام کو چلانے کے لئے اجتہاد کی اہمیّت و ضرورت کو اچھی طرح سمجھتا ہو۔ لیکن اجتہاد کا دروازہ کھولنا جتنا ضروری ہے اتنا ہی احتیاط کا متقاضی بھی ہے۔ اجتہاد کرنا ان لوگوں کا کام نہیں ہے۔ جو ترجموں کی مدد سے قرآن پڑھتے ہوں، حدیث کے پورے ذخیرے سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہوں بلکہ اس کو دفترِ بے معنی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہوں۔ پچھلی تیرہ صدیوں میں فقہائے اسلام نے اسلامی قانون پر جتنا کام کیا ہے اس سے سرسری واقفیّت بھی نہ رکھتے ہوں اور اس کو فضول سمجھ کر پھینک دیں۔ پھر اس پر مزید یہ کہ مغربی نظریات و اقدار کو لے کر اُن کی رُوشنی میں قرآن کی تاویلیں کرنا شروع کر دیں۔ اس طرح کے لوگ اگر اجتہاد کریں گے تو اسلام کو مسخ کر کے رکھ دیں گے اور مسلمان، جب تک اسلامی شعور کی رمق بھی ان کے اندر موجود ہے، ایسے لوگوں کے اجتہاد کو ہرگز ضمیر کے اطمینان کے ساتھ قبول نہ کریں گے۔ اس طرح کے اجتہاد سے جو قانون بھی بنایا جائے گا وہ صرف ڈنڈے کے زور سے ہی قوم پر مسلّط کیا جا سکے گا اور ڈنڈے کے ساتھ ہی وہ رُخصت ہو جائے گا۔ قوم کا ضمیر [illegible] اگل کر پھینک دے گا جس طرح

انسان کا معدہ نگلی ہوئی مکھی کو اُگل کر پھینک دیتا ہے۔ مسلمان اگر اطمینان کے ساتھ کسی اجتہاد کو قبول کر سکتے ہیں۔ تو صرف ایسے لوگوں کا اجتہاد ہے جن کے علمِ دین اور خدا ترسی اور احتیاط پر ان کو اطمینان اور بھروسہ ہو اور جن کے متعلق وہ یہ جانتے ہوں کہ یہ لوگ غیر اسلامی نظریات و تصوّرات کو اسلام میں نہ ٹھونسیں گے۔

(ب) جو اجتہادی اصول آج سے ہزار سال پہلے بنائے گئے تھے وہ صرف اس لئے رد کر دینے کے قابل نہیں ہیں کہ وہ ہزار سال پُرانے ہیں۔ معقولیّت کے ساتھ جائزہ لے کر دیکھئے کہ وہ اصول تھے کیا اور اس بیسویں صدی میں ان کے سوا اور کچھ اصول ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ ان میں سے پہلا اصول یہ تھا کہ آدمی اُس زبان کو اور اُس کے قواعد اور محاوروں اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ بتایئے کیا یہ اصول غلط ہے؟ انگریزی زبان میں قانون کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں کیا ان کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جو انگریزی زبان کی ایسی واقفیّت نہ رکھتا ہو۔ وہاں تو ایک کاما (COMMA) کے ادھر سے ادھر ہو جانے سے معنی میں عظیم فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بسا اوقات ایک کاما کی تبدیلی کے لئے پارلیمنٹ کو ایک قانون (ACT) پاس کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں یہ مطالبہ ہے کہ قرآن کی وہ لوگ تعبیر کریں گے جو ترجموں کی مدد سے قرآن سمجھتے ہوں اور ترجمے بھی وہ جو انگریزی زبان میں ہوں۔ دوسرا اُصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور اُن حالات کا جن حالات میں قرآن مجید نازل ہوا ہے گہرا اور وسیع مطالعہ کیا ہو۔ کیا اس اصول میں کوئی غلطی ہے؟ کیا موجودہ قوانین کی تعبیر کا حق کسی ایسے شخص کو دیا جا سکتا ہے جس نے قانون کی کسی کتاب کا محض سرسری مطالعہ کر لیا [illegible] ترجمہ پڑھ لیا ہو؟ تیسرا اصول

یہ ہے کہ آدمی اس عمل درآمد سے اچھی طرح واقف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی قوانین پر ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ قرآن خلا میں سفر کرتا ہوا براہِ راست ہمارے پاس نہیں پہنچ گیا ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے ایک نبیؐ لایا تھا۔ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بُنیاد پر افراد تیار کئے تھے۔ معاشرہ بنایا تھا۔ ایک ریاست قائم کی تھی، ہزارہا آدمیوں کو اس کی تعلیم دی تھی اور اس کے مطابق کام کرنے کی تربیت دی تھی۔ ان ساری چیزوں کو آخر کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کا جو ریکارڈ موجود ہے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف قرآن کے الفاظ سے احکام نکالنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی اسلامی قانون کی پچھلی تاریخ سے واقف ہو۔ وہ یہ جانے کہ یہ قانون کس طرح ارتقاء کرتا ہوا آج تک ہمیں پہنچا ہے پچھلی تیرہ صدیوں میں صدی بہ صدی اس پر کیا کام ہوا ہے اور مختلف زمانوں میں وقت کے حالات پر قرآن اور سُنّت کے احکام کو منطبق کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ اور تفصیلاً کیا احکام مرتّب کئے جاتے رہے ہیں۔ اس تاریخ اور اس کام سے واقف ہوئے بغیر اجتہاد کر کے ہم اسلامی قانون کے ارتقاء کا تسلسل (CONTINUITY) آخر کس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں ایک نسل اگر یہ طے کر لے کہ پچھلی نسلوں کے کئے ہوئے سارے کاموں کو چھوڑ دے گی اور نئے سرے سے اپنی عمارت بنائے گی تو ایسا ہی احمقانہ فیصلہ ہمارے بعد آنے والی نسلیں کر سکتی ہیں۔ ایک دانشمند قوم اپنے اسلاف کے کئے ہوئے کام کو برباد نہیں کرتی بلکہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو لے کر آگے وہ کام کرتی ہے۔ جو انہوں نے نہیں کیا اور اس طرح [illegible] قی جاری رہتی ہے۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ

آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار اور طرز فکر اور خدا اور رسولؐ کے احکام کی صحت کا معتقد ہو اور رہنمائی کے لئے اسلام سے باہر نہ دیکھے بلکہ اسلام کے اندر ہی رہنمائی حاصل کرے یہ شرط ایسی ہے جو دنیا کا ہر قانون اپنے اندر اجتہاد کرنے کے لئے لازمی طور پر لگائے گا۔ درحقیقت اجتہاد کے یہی پانچ اصول ہیں۔ اگر کوئی صاحب معقول دلیل سے اس بیسویں صدی کے لئے کچھ اور اصول تجویز کر سکیں تو ہم ان کے ممنون احساس ہوں گے۔

(ج) مسلمانوں میں فرقوں کے جتنے اختلافات ہیں ان کے بارے میں پہلے ہی پاکستان کے علماء اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ جہاں تک پرسنل لا کا تعلق ہے ہر فرقے پر وہی احکامات نافذ ہوں گے۔ جو اس فرقے کے نزدیک مسلّم ہیں اور جہاں تک مُلکی قوانین کا تعلق ہے وہ اکثریت کے مسلک کے مطابق ہوں گے۔ کیا اس کے بعد وہ مشکلات باقی رہتی ہیں جن کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اگر مجلس قانون ساز میں ہمارے نمائندے احتیاط کے ساتھ اس اصول پر عمل کریں تو فرقہ وارانہ اختلافات آہستہ آہستہ کم ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارے قوانین کا ارتقا بڑی اچھی طرح ہو سکے گا۔

(د) فقہ جعفری اور شیعہ علماء کا اجتہاد اسی ملک میں نافذ کیا جا سکتا ہے جہاں شیعہ فرقے کی اکثریّت ہو چنانچہ ایران میں وہ نافذ ہے۔ لیکن پاکستان میں وہ شیعوں کے پرسنل لا کی حیثیت سے ہی رہ سکتا ہے۔ سُنّی اکثریّت پر اس کو نافذ کرنے کی کیسے کوشش کی جا سکتی ہے؟

اجتہاد کی بُنیاد الفاظ یا اسپرٹ

مویشی نہ ہونے کی صورت میں قربانی کا حکم

سوال

کیا "اجتہاد" جو کیا جائے گا وہ قرآن و حدیث و سابقہ اجتہادی احکام و قوانین جو خلفائے راشدین کے عہد میں نافذ کئے گئے تھے ان کے محض الفاظ پر ہی زور دے کر عمل کیا جائے گا یا آیت و حدیث کی صحیح اسپرٹ کو مدِ نظر رکھ کر کہ کن اور کب و کونسے حالات و ماحول و رجحان کے تحت وہ جاری ہوئے ؟

(ا) آج موجودہ قانونی دفعات میں بھی الفاظ (WORDING OF THE SECTION) کی بندش جتنی اہمیّت رکھتی ہے اس سے زیادہ دیباچۂ قانون (PREAMBLE) اہمیّت رکھتا ہے جس کی رُوشنی میں آئین و قانون کی دفعات تک کالعدم قرار دے دی جاتی ہیں۔ فرض کیجئے جیسا کہ مسلمان روزہ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک رکھتے ہیں لیکن نماز روزہ کے لئے اوقات کا تعیّن قطبین (POLLARS) پر رہنے والے مسلمانوں کے لئے کیا ہوگا۔ جہاں مہینوں لمبی راتیں اور دن ہوتے ہیں ؟

(ب) اور فرض کیجئے کہ کسی خ[illegible] اس طرح [illegible] گائے، بیل، اونٹ، بھیڑ، بکری دُنبہ

وغیرہ دستیاب نہ ہوتے ہوں اور مثلاً وہاں صرف سوّر، خرگوش، مچھلی، گینڈے، ہاتھی اور کُتّے وغیرہ موجود ہوں یا کچھ نہ ہوں تو وہاں قربانی کی کیا صورت ہوگی ؟

(ج) کیا قربانی کی صحیح اسپرٹ اور اصل جذبے کے تحت جانور کی قیمت کے بقدر رقم کی صورت میں حکومت وقت کے بیت المال میں جمع کر دی جائے یا قوم کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دی جائے تو شریعت اس پر اکتفا کر لے گی ؟

جواب

اجتہاد کے لئے الفاظ اور اسپرٹ دونوں ہی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے لیکن اسپرٹ کا مسئلہ خاصا پیچیدہ ہے اگر اسپرٹ سے مراد وہ چیز ہے جو بحیثیت مجموعی قرآن کی تعلیمات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عمل، خلفائے راشدین کے طریقے اور بحیثیت مجموعی فقہائے اُمّت کے فہم سے ظاہر ہوتی ہے تو بلاشبہ یہ اسپرٹ ملحوظ رکھنے کے قابل ہے اور اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر الفاظ قرآن اور سُنّت سے لئے جائیں اور اسپرٹ کہیں اور سے لائی جائے تو یہ سخت قابلِ اعتراض چیز ہے اور ایسی اسپرٹ کو ملحوظ رکھنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسولؐ کا نام لے کر اُن سے بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔

قطبین کے متعلق روزہ اور نماز کے معاملہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے اصل مقصود خدا کی عبادت ہے یا ان دونوں عبادتوں کو اُن خاص اوقات کے اندر ادا کرنا جن کی علامات قرآن اور سُنّت میں بتائی گئی ہیں۔ تمام دنیا کا یہ مُسلّم قاعدہ ہے کہ کسی حکم سے جو اصل مقصود ہو وہ زیادہ اہمیّت رکھتا ہے اور اگر اس حکم کے متعلقات میں سے کوئی ایسی چیز آجائے جس کی [illegible] کرنے کے ساتھ حکم کے مقصد کو پورا نہ کیا جا سکتا ہو تو مقصد [illegible] ئے ان متعلقات میں

ترمیم کی جائے گی۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اور سُنّت کی رو سے نماز ادا کرنا اور روزہ رکھنا اصل مقصد ہے اور جو اوقات ان عبادتوں کے لئے مقرر کئے گئے ہیں وہ زمین کی بہت بڑی آبادی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ زمین کی آبادی کا بہت بڑا حصّہ ان علاقوں میں آباد ہے جہاں رات دن کا الٹ پھیر چوبیس گھنٹوں میں ہو جاتا ہے اور اُن علاقوں میں چونکہ اکثریّت کے پاس ہر وقت گھڑی نہیں رہ سکتی اس لئے ان کی سہولت کو مدِّ نظر رکھ کر اوقات کے لئے وہ علامات بیان کی گئی ہیں جو اُفق پر یا آسمان پر ظاہر ہونے والی ہیں تاکہ ہر انسان اپنی عبادت کے لئے اوقات بآسانی معلوم کر لے قطبین پر انسانی آبادی کا بہت چھوٹا حصّہ آباد ہے۔ اس آبادی کو نماز اور روزے کے احکام پر عمل کرنے کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے اوقاتِ مقررہ میں مناسب ترمیمیں کرنی ہوں گی۔ کیونکہ ان اوقات کی پابندی اور عبادت کی ادائیگی دونوں ایک ساتھ نہیں ہو سکتیں اس لئے عبادت کے حکم کو اوقات کے حکم پر قربان میں کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے حکم پر عمل کرنے کے صرف دو اصول مدِّ نظر رکھنے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ جانور وہ ہو جو اسلام میں حرام نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ جانور وہ ہو جو کسی آبادی میں مویشی (CATTLE) کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہو۔ اس طرح قربانی کے حکم پر دُنیا کی ہر آبادی میں عمل کیا جا سکتا ہے۔ قربانی بہر حال جانور ہی کی ہونی چاہیئے اس کے بدلے میں مالی انفاق کی کوئی شکل اختیار نہیں کی جا سکتی۔ میں اس موضوع پر تفصیل [illegible] رسالے "مسئلہ قربانی" میں کر چکا ہوں۔

زکوٰۃ ٹیکس نہیں رُکن دین ہے

سوال

موجودہ آزاد تمدّنی دور میں بھی کیا غربا و مساکین کے لئے امرا و رؤسا سے زکوٰۃ فنڈ جبراً وصول کیا جانا مناسب ہوگا۔ جبکہ وہ دیگر کئی ٹیکسوں کے علاوہ انکم ٹیکس بھی حکومتِ وقت ہی کو ادا کرتے ہوں؟

جواب

زکوٰۃ کے متعلق پہلی بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ ٹیکس نہیں ہے بلکہ ایک عبادت اور رُکنِ اسلام ہے جس طرح نماز، روزہ اور حج ارکانِ اسلام ہیں۔ جس شخص نے کبھی قرآن مجید کو آنکھیں کھول کر پڑھا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ قرآن بالعموم نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ذکر کرتا ہے اور اُسے اُس دین کا ایک رُکن قرار دیتا ہے۔ جو ہر زمانے میں انبیائے کرام کا دین رہا ہے اس لئے اُس کو ٹیکس سمجھنا اور ٹیکس کی طرح اس سے معاملہ کرنا پہلی بنیادی غلطی ہے ایک اسلامی حکومت جس طرح اپنے ملازموں سے دفتری کام اور دوسری خدمات لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب نماز کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ انہوں نے سرکاری ڈیوٹی دے دی ہے۔ اسی طرح وہ لوگوں سے ٹیکس لے کر یہ نہیں کہہ سکتی کہ زکوٰۃ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ ٹیکس لے لیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ اوقات لازماً اس

طرح مقرر کرنے ہوں گے تاکہ اس کے ملازمین نماز وقت پر ادا کر سکیں۔ اسی طرح اس کو اپنے ٹیکسیشن کے نظام میں زکوٰۃ کی جگہ نکالنے کے لئے مناسب ترمیمات کرنی ہوں گی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ حکومت کے موجودہ ٹیکس سے کوئی ٹیکس اُن مقاصد کے لئے اُس طرح استعمال نہیں ہوتا ہے جن کے لئے قرآن میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے اور جس طرح اس کے تقسیم کرنے کا حکم ہے۔

جذبۂ جہاد کو زندہ رکھنے کا طریقِ کار

نظامِ مملکت میں فوج کا مقام

سوال

مسلمانوں کے جذبۂ "جہاد" کو زندہ رکھنے کے لئے آج بیسویں صدی میں کیا طریقِ کار اختیار کیا جائے گا۔ جبکہ آج کی جنگ شمشیر و سنان سے یا میدانِ جنگ میں صف آرا ہو کر دست بدست نبرد آزمائی سے نہیں ہوتی بلکہ سائنسی ہتھیاروں دماغوں STRATEGY. اور ESPIONAGE سے لڑی جاتی ہے؟

(ا) آپ ایٹم بم۔ کس طرح [illegible] شبنی ایجادات وغیرہ کا سہارا لے کر اس سائنسی [illegible] کس طرح کریں گے؟

(ب) کیا چاند، مرّیخ و مشتری پر اُترنے اور سٹیلائٹ چھوڑنے یا فضا میں راکٹ سے پرواز کرنے اور نت نئی ایجادات کرنے والے مجاہدین کے زُمرے میں آسکتے ہیں ؟

(ج) انتظامی امور و مملکتی نظام (CIVIL ADMINISTRATION) میں فوج کو کیا مقام دیا جاسکتا ہے ؟ موجودہ دَور کے فوجی انقلاب میں ملکی نظام میں فوج کی شمولیت اور افادیت بہت حد تک ثابت ہو چکی ہے۔ کیونکہ نہ فوج کو دورِ امن میں بٹھا کر کھلانے کے بجائے ہر فیلڈ میں قوم کی خدمت سپرد ہو؟

جواب

جہاد کے متعلق اوّلین بات یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ جہاد اور لڑاکا پن میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح قومی اغراض کے لئے جہاد اور چیز ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اور چیز مسلمانوں میں جس جذبۂ جہاد کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے وہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ان کے اندر ایمان ترقّی کرتے کرتے اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ وہ خدا کی زمین سے بُرائیوں کو مٹانے اور اس زمین میں خدا کا حکم بلند کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار نہ ہو جائیں۔ سرِ دست تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ سب کچھ اس جذبے کی جڑ کاٹ دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ تعلیم وہ دی جا رہی ہے جو ایمان کے بجائے شک اور انکار پیدا کرے۔ تربیت وہ دی جا رہی ہے جس سے افراد میں اور سوسائٹی میں وہ بُرائیاں پھیلیں جنہیں ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسلام کے نزدیک بُرائیاں ہیں۔ اس کے بعد سوال [illegible] ہے کہ مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کیسے پیدا ہو گا۔ موجودہ حالات [illegible] ئے کا سپاہی

MERCENARY.) بنے گا یا حد سے حد قومی اغراض کے لئے لڑے گا — رہے سائنسی ہتھیار اور فنِ حرب (STRATEGY.) تو وہ اسباب ہیں جو جائز اغراض اور ناجائز اغراض سب کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اگر مسلمان میں سچّا ایمان موجود ہو اور اسلام کا نصب العین اس کا اپنا نصب العین بن جائے تو وہ پورے جذبے کے ساتھ تمام وہ قابلیتیں اپنے اندر پیدا کر لے گا۔ جو اس زمانے میں لڑنے کے لئے درکار ہیں اور تمام اُن ذرائع اور وسائل سے کام لے گا جو آج یا آئندہ جنگ کے لئے درکار ہوں۔

چاند اور مرّیخ اور مشتری پر اُترنا اپنی نوعیت کے لحاظ سے کولمبس کے امریکہ پر اُترنے اور واسکوڈے گاما کے جزائر شرق الہند پر اُترنے سے زیادہ مختلف نہیں۔ اگر یہ لوگ مجاہد فی سبیل اللہ مانے جا سکتے ہیں تو چاند اور مرّیخ پر اُترنے والے بھی مجاہدین بن جائیں گے۔

انتظامی امور اور مملکتی نظام (CIVIL ADMINISTRATION.) میں فوج کا داخل ہونا فوج کے لئے اور ملک کے لئے بھی سخت تباہ کُن ہے — فوج بیرونی دشمنوں سے ملک کی حفاظت کرنے کے لئے منظّم کی جاتی ہے۔ ملک پر حکومت کرنے کے لئے منظّم نہیں کی جاتی۔ اس کو تربیت دشمنوں سے لڑنے کی دی جاتی ہے۔ اس تربیت سے پیدا ہونے والے اوصاف ملک کے باشندوں سے معاملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں ہوتے علاوہ بریں ملکی معاملات کو جو لوگ بھی چلائیں خواہ وہ سیاست کار (POLITICION، ہوں یا ملکی نسق کے منتظم (CIVIL ADMINISTRATOR.) اس طرح کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ ملک میں بہت سے لوگ ناراض بھی، فوج کا اس میدان

میں اُتر نا لامحالہ فوج کو غیر ہر دل عزیز (UNPOPULAR) بنانے کا موجب ہوگا۔ حالانکہ فوج کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سارے ملک کے باشندے اس کی پشت پر ہوں اور جنگ کے موقع پر ملک کا ہر فرد اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو۔ موجودہ دَور کے فوجی انقلابات نے ملکی نظام میں فوج کی شمولیت کو مفید ثابت نہیں کیا ہے بلکہ درحقیقت تجربے سے اس کے بُرے نتائج ثابت ہو گئے ہیں۔

اسلامی حکومت میں خواتین کا مقام

اسلام اور مخلوط سوسائٹی

عورت اور ریاست کی ذمّہ داریاں؟

سوال

کیا اس دَور میں اسلامی حکومت خواتین کو مَردوں کے برابر سیاسی و معاشرتی حقوق ادا نہ کرے گی۔ جبکہ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اس نے سب سے تاریک ترین دَور میں بھی عورت کو ایک مقام (STATUS) عطا کیا؟

(ا) کیا آج خواتین کو مَردوں [illegible] کا حصّہ لینے کا حق دیا جا سکتا ہے؟

(ب) کیا ان کو اسکولوں [illegible] تعلیم یا مَردوں کے شانہ بشانہ

کام کر کے ملک و قوم کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کی اجازت نہ ہوگی ؟

(ج) فرض کیجئے اگر اسلامی حکومت خواتین کو برابر کا حق رائے دہندگی دے اور وہ کثرت آرا سے وزارت و صدارت کے عہدوں کے لئے الیکشن لڑ کر کامیاب ہو جائیں تو موجودہ بیسویں صدی میں بھی کیا ان کو منصب اعلیٰ سنبھالنے کا حق اسلامی احکام کی رُو سے نہیں مل سکتا جبکہ بہت سی مثالیں ایسی آج موجود ہیں مثلاً سیلون میں وزارت عظمیٰ ایک عورت کے پاس ہے۔ یا نیدرلینڈ میں ایک خاتون ہی حکمران اعلیٰ ہے۔ برطانیہ پر ملکہ کی شہنشاہیت ہے ؟

(د) کیا آج بھی خواتین کو ڈاکٹر، وکلا، مجسٹریٹ، جج، فوجی افسر یا پائیلٹ وغیرہ بننے کی مطلق اجازت نہ ہوگی ؟

(ہ) خواتین کا یہ بھی کارنامہ کہ وہ نرسوں کی حیثیت سے کس طرح مریضوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں قابلِ ذکر ہے۔ خود اسلام کی پہلی جنگ میں خواتین نے مجاہدین کی مرہم پٹی کی، پانی پلایا اور حوصلے بلند کئے۔ تو کیا آج بھی اسلامی حکومت میں آدھی قوم کو مکانات کی چار دیواری میں مقیّد رکھا جائے گا ؟

جواب

اسلامی حکومت دُنیا کے کسی معاملے میں بھی اسلامی اصولوں سے ہٹ کر کوئی کام کرنے کی نہ تو مجاز ہے اور نہ وہ اس کا ارادہ ہی کر سکتی ہے اگر فی الواقع اس کو چلانے والے ایسے لوگ ہوں جو اسلام کے [illegible] اصولوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں۔ عورتوں کے [illegible] اصول یہ ہے کہ عورت اور مرد عزّت و احترام کے لحاظ سے بھی برابر ہیں لیکن

دونوں کا دائرۂ عمل ایک نہیں ہے۔ سیاست اور ملکی انتظام اور فوجی خدمات اور اسی طرح کے دوسرے کام مرد کے دائرۂ عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس دائرے میں عورت کو گھسیٹ لانے کے دو بُرے نتیجے ہو سکتے ہیں یا تو یہ کہ ہماری خانگی زندگی بالکل تباہ ہو گی جس کی بیشتر ذمہ داریاں عورتوں سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر عورتوں پر دُہرا بار ڈالا جائے گا کہ وہ اپنے فطری فرائض بھی انجام دیں جن میں مرد قطعاً شریک نہیں ہو سکتا اور پھر مرد کے فرائض کا بھی نصف حصّہ اپنے اوپر اُٹھائیں۔ عملاً یہ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔ لازماً پہلی صورت ہی رونما ہو گی اور مغربی ممالک کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ وہ رُونما ہو چکی ہے۔ آنکھیں بند کر کے دوسروں کی حماقتوں کی نقل اتارنا عقلمندی نہیں ہے۔

اسلام میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وراثت میں عورت کا حصّہ مرد کے برابر ہو ـــــ اس باب میں قرآن کا صریح حکم مانع ہے۔ نیز یہ انصاف کے بھی خلاف ہے ـــــ کہ عورت کا حصّہ مرد کے برابر ہو۔ کیونکہ اسلامی احکام کی رُو سے خاندان کی پرورش کا سارا مالی بار مرد پر ڈالا گیا ہے۔ بیوی کا مہر و نفقہ بھی اس پر واجب ہے۔ اس کے مقابلے میں عورت پر کوئی مالی بار نہیں ڈالا گیا ہے۔ اس صورت میں آخر عورت کو مرد کے برابر حصّہ کیسے دلایا جا سکتا ہے۔

اسلام اصولاً مخلوط سوسائٹی کا مخالف ہے اور کوئی ایسا نظام جو خاندان کو اہمیت دیتا ہو اس کو پسند نہیں کرتا کہ عورتوں اور مردوں کی مخلوط سوسائٹی ہو۔ مغربی ممالک میں اس کے بدترین نتائج ظاہر ہو[illegible] ملک کے لوگ ان نتائج کو بھگتنے کے لئے تیار ہوں تو شو[illegible] یہ کیا ضروری ہے کہ

اسلام میں ان افعال کی گنجائش زبردستی نکالی جائے جن سے وہ شدت کے ساتھ روکتا ہے۔

اسلام میں اگر جنگ کے موقع پر عورتوں سے مرہم پٹی وغیرہ کا کام لیا گیا ہے تو اس کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ امن کی حالت میں عورتوں کو دفتروں اور کارخانوں اور کلبوں اور پارلیمنٹوں میں لا کھڑا کیا جائے مرد کے دائرۂ عمل میں آکر عورتیں کبھی مردوں کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ وہ ان کاموں کے لئے بنائی ہی نہیں گئی ہیں۔ ان کاموں کے لئے جن اخلاقی اور ذہنی اوصاف کی ضرورت ہے وہ دراصل مرد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ عورت مصنوعی طور پر مرد بن کر کچھ تھوڑا بہت ان اوصاف کو اپنے اندر اُبھارنے کی کوشش کرے بھی تو اس کا دُہرا نقصان خود اس کو بھی ہوتا ہے اور معاشرہ کو بھی۔ اس کا اپنا نقصان یہ ہے کہ وہ نہ پوری عورت رہتی ہے، نہ پوری مرد بن سکتی ہے اور اپنے اصل دائرۂ عمل میں جس کے لئے وہ فطرتاً پیدا کی گئی ہے ناکام رہ جاتی ہے۔ معاشرہ اور ریاست کا نقصان یہ ہے کہ وہ اہل کارکنوں کے بجائے نااہل کارکنوں سے کام لیتا ہے اور عورت کی آدھی زنانہ اور آدھی مردانہ خصوصیات سیاست اور معیشت کو خراب کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں گنتی کی چند سابقہ معروف خواتین کے نام گنانے سے کیا فائدہ۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ جہاں لاکھوں کارکنوں کی ضرورت ہو کیا وہاں تمام خواتین موزوں رہ سکیں گی؟ ابھی حال ہی میں مصر کے سرکاری محکموں اور تجارتی اداروں نے شکایت کی ہے کہ وہاں بحیثیت مجموعی ایک لاکھ دس ہزار خواتین جو مختلف طریقوں سے منتخب کی گئی ہیں۔ بالعموم ناموزوں ثابت ہو رہی ہیں اور ان کی کارکردگی [illegible] صدی سے زیادہ نہیں۔ پھر مصر کے

تجارتی اداروں نے یہ عام شکایت کی ہے کہ عورتوں کے پاس پہنچ کر کوئی راز، راز نہیں رہتا۔ مغربی ممالک میں جاسوسی کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں ان میں بھی عموماً کسی نہ کسی طرح عورت کا دخل ہوتا ہے۔

عورتوں کی تعلیم سے اسلام ہرگز نہیں روکتا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم ان کو دلوائی جانی چاہیئے۔ لیکن چند شرطوں کے ساتھ۔ اوّل یہ کہ ان کو وہ تعلیم خاص طور پر دی جائے جس سے وہ اپنے دائرۂ عمل میں کام کرنے کے لئے ٹھیک ٹھیک تیار ہو سکیں اور ان کی تعلیم بعینہٖ وہ نہ ہو جو مردوں کی ہو۔ دوسرے یہ کہ تعلیم مخلوط نہ ہو اور عورتوں کو زنانہ تعلیم گاہوں میں عورتوں ہی سے تعلیم دلوائی جائے۔ (مخلوط تعلیم کے مہلک نتائج مغربی ترقی یافتہ ممالک میں اس حد تک سامنے آچکے ہیں۔ جو انسانیت کے لئے بدنما داغ ہیں۔ مثلاً صرف امریکہ میں ۱۷ سال تک عمر کی لڑکیاں جو ہائی اسکولوں میں پڑھتی ہیں مخلوط تعلیم کی وجہ سے ہر سال ان میں سے اوسطاً ایک ہزار حاملہ نکلتی ہیں گو ابھی یہ شکل ہمارے سامنے رونما نہیں ہوئی۔ لیکن اس مخلوط تعلیم کے نتائج کچھ ہمارے سامنے بھی آنے شروع ہو گئے ہیں) تیسرے یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے ایسے اداروں میں کام لیا جائے جو صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہوں مثلاً زنانہ ہسپتال اور زنانہ تعلیم گاہیں وغیرہ۔

عریاں فلمیں، مقابلۂ حُسن، ثقافتی محفلیں

فحش گانے اور اسلامی حکومت کا اندازِ اصلاح

سوال

کیا اسلامی حکومت خواتین کی بڑھتی ہوئی آزادی سختی سے روکے گی جیسے کہ ان کی زیبائش اور نیم عریاں لباس زیبِ تن کرنے اور فیشن کا رُجحان اور جیسے آج کل نوجوان لڑکیاں نہایت تنگ و دلفریب سینٹ سے معطّر لباس اور غازہ و سرخی سے مزیّن اپنے خدوخال و نشیب و فراز کی نمائش برسرِ عام کرتی ہیں اور آج کل نوجوان لڑکے بھی ہالی وڈ فلموں سے متاثر ہو کر ٹیڈی بوائز بن رہے ہیں تو کیا حکومت قانون (LEGISLATION) کے ذریعہ ہر مسلم و غیر مسلم لڑکے و لڑکی کے آزادانہ رُجحان کو روکے گی؟ خلاف ورزی پر سزا دے گی؟ والدین و سرپرستوں کو جرمانہ کیا جا سکے گا؟ تو اس طرح کیا ان کی شہری آزادی پر ضرب نہ لگے گی؟

(ا) کیا حکومت گرلز گائیڈ ایسوسی ایشن (APWA) یا دیگر وائی۔ڈبلیو۔سی۔اے (Y.W.C.A) جیسے ادارے اسلامی نظا[illegible]

(ب) کیا خواتین اسلامی عدا[illegible] مجاز ہو سکیں گے اور مردوں پر

ایک سے زیادہ شادی کی پابندی آج جائز ہوگی؟

(ج) خواہ اسلامی عدالت کے روبرو ہی ان کو اپنی پسند سے (CIVIL MARRIAGE) کرنے کا حق حاصل ہو سکتا ہے؟

(د) کیا خواتین کو یوتھ فیسٹیویل۔ کھیلوں، نمائشوں، ڈراموں، ناچ، فلموں یا مقابلۂ حسن میں شرکت یا (AIR HOSTESS.) وغیرہ بننے کی آج بھی اسلامی حکومت مخالفت کرے گی؟

(ہ) ساتھ ہی قومی کردار تباہ کرنے والے ادارے مثلاً سینما، فلمیں، ٹیلی ویژن، ریڈیو پر فحش گانے وعریاں رسائل ولٹریچر موسیقی، ناچ ورنگ کی ثقافتی محلفیں وغیرہ کو بند کر دیا جائے گا یا فائدہ اٹھانا ممکن ہوگا؟

جواب

اسلام معاشرہ کی اصلاح وتربیت کا سارا کام محض قانون کے ڈنڈے سے نہیں لیتا۔ تعلیم، نشر واشاعت اور رائے عامہ کا دباؤ اس کے ذرائع اصلاح میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کے استعمال کے بعد اگر کوئی خرابی باقی رہ جائے تو وہ قانونی وسائل اور انتظامی تدابیر استعمال کرنے میں بھی تامل نہ کرے گا۔ عورتوں کی عُریانی اور بے حیائی فی الواقع ایک بہت بڑی بیماری ہے جسے کوئی سچی اسلامی حکومت برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ بیماری اگر دوسری ـــــ تدابیر اصلاح سے درست نہ ہو یا اس کا وجود باقی رہ جائے تو یقیناً اس کو از روئے قانون روکنا پڑے گا۔ اس کا نام اگر شہری آزادی پر ضرب لگنا ہے تو جواریوں کے کڑے [illegible] کو سزائیں دینا بھی شہری آزادی پر ضرب لگانے کے [illegible] زما افراد پر کچھ پابندیاں

عائد کرتی ہے۔ افراد کو اس کے لئے آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا کہ وہ اپنے ذاتی رجحانات اور دوسروں سے سیکھی ہوئی بُرائیوں سے اپنے معاشرہ کو برباد کریں۔

گرلز گائیڈ (GIRLS GUIDES.) کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ اپوا (APWA) قائم رہ سکتی ہے بشرطیکہ وہ اپنے دائرۂ عمل میں رہ کر کام کرے اور قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف طریقے استعمال کرنا چھوڑ دے۔ Y.W.C.A. عیسائی عورتوں کے لئے رہ سکتا ہے مگر کسی مسلمان عورت کو اس میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی مسلمان عورتیں چاہیں تو (Y.W.M.A.) بنا سکتی ہیں بشرطیکہ وہ اسلامی حدود میں رہیں۔

مسلمان عورت اسلامی عدلیہ کے ذریعہ سے خلع حاصل کر سکتی ہے۔ فسخ نکاح (NULLIFICATION.) اور تفریق (JUDICIAL SEPARATION) کی ڈگری بھی عدالت سے حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ان میں سے کوئی ڈگری حاصل کرنے کی مجاز ہو۔ لیکن طلاق (DIVORCE) کے اختیارات قرآن نے صریح الفاظ میں صرف مرد کو دیئے ہیں اور کوئی قانون مردوں کو اس اختیار سے محروم نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ قرآن کا نام لے کر قرآن کے خلاف قوانین بنائے جانے لگیں۔ پوری اسلامی تاریخ عہدِ رسالت سے لے کر اس صدی تک اس تصور سے ناآشنا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار مرد سے سلب کر لیا جائے اور کوئی عدالت یا پنچائیت اس میں دخل دے۔ یہ تخیل سیدھا یورپ سے چل کر ہمارے ہاں درآمد ہوا ہے اور اس کے درآمد کرنے والوں نے کبھی آنکھیں کھول کر یہ نہیں دیکھا ہے کہ یورپ میں اس قانون طلاق کا پس منظر (BA[illegible]) کیا ہے اور وہاں اس کے کتنے بُرے نتائج روزانہ [illegible] گھروں کے سکینڈل نکل کر

بازاروں میں پہنچیں گے تو لوگوں کو پتہ چلے گا۔ کہ خدا کے قوانین کی نافرمانی کے کیا نتائج ہوتے ہیں۔

مَردودں پر ایک سے زیادہ شادی کے معاملہ میں از روئے قانون پابندی عائد کرنے کا یا اس میں رکاوٹ ڈالنے کا تخیّل بھی ایک بیرونی مال ہے جسے اسلامی تعلیمات کے جعلی پرمٹ پر درآمد کیا گیا ہے۔ یہ اس سوسائٹی میں سے آیا ہے جس میں ایک ہی عورت اگر منکوحہ بیوی کے ساتھ داشتہ کے طور پر رکھی جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ قابلِ برداشت ہے بلکہ اس کے حرامی بچوں کے حقوق محفوظ کرنے کی بھی فکر کی جاتی ہے (فرانس کی مثال ہمارے سامنے ہے) لیکن اگر اسی عورت سے نکاح کر لیا جائے تو یہ جُرم ہے۔ گویا ساری پابندیاں حلال کے لئے ہیں حرام کے لئے نہیں ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ابجد سے بھی واقف ہو تو کیا وہ یہ اقدار (VALUES.) اختیار کر سکتا ہے؟ کیا اس کے نزدیک زنا قانوناً جائز اور نکاح قانوناً حرام ہونے کا عجیب و غریب فلسفہ برحق ہو سکتا ہے؟ اس طرح کے قوانین بنانے کا حاصل اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ مسلمانوں میں زنا کا رواج بڑھے گا۔ گرلز فرینڈز اور داشتائیں (MISSTRESSES.) فروغ پائیں گی اور دوسری بیوی ناپید ہو جائے گی یہ ایک ایسی سوسائٹی ہوگی جو اپنے خدوخال میں اسلام کی اصل سوسائٹی سے بہت دُور اور مغربی سوسائٹی سے بہت قریب ہوگی۔ اس صورت حال کے تصوّر سے جس کا جی چاہے مطمئن ہو مسلمان کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔

سول میرج (MARRIAGE) [illegible] ہر ہے کہ مسلمان عورت کے ساتھ تو پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سوال اگر [illegible] سے شادی کرنے کے معاملہ

میں یا کسی ایسی عیسائی یا یہودی عورت سے شادی کے معاملہ میں جو اسلامی قانون کے تحت کسی مسلمان سے نکاح کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور مسلمان مرد اس کے عشق میں مبتلا ہو کر اس اقرار کے ساتھ شادی کر لے کہ وہ کسی مذہب کا پابند نہ ہوگا۔ یہ کام اگر کسی کو کرنا ہی ہو تو اسے اسلام سے فتویٰ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسلام کیوں اپنے ایک پیرو کو اس کی اجازت دے؟ اور ایک اسلامی عدالت کا یہ کام کب ہے کہ مسلمانوں کی اس طریقہ پر شادیاں کروائے؟

اگر ایک اسلامی حکومت بھی یوتھ فیسٹیول (YOUTH FESTIVAL.) اور کھیلوں کی نمائشوں اور ڈراموں اور رقص و سرود اور مقابلۂ حسن میں مسلمان عورتوں کو لائے یا ایر ہوسٹس (AIR HOSTESS.) بنا کر مسافروں کے دل موہنے کی کوشش کرے تو ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلامی حکومت کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سارے کام کفر اور کفار کی حکومت میں بآسانی ہو سکتے ہیں بلکہ زیادہ آزادی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔

سنیما، فلم، ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ تو خدا کی عطا کردہ طاقتیں ہیں جن میں بجائے خود خرابی نہیں۔ خرابی ان کے استعمال میں ہے جو انسانی اخلاق کو تباہ کرنے والا ہے۔ اسلامی حکومت کا کام ہی یہ ہے کہ وہ ان ذرائع کو انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کرے اور اخلاقی فساد کے لئے استعمال ہونے کا دروازہ بند کر دے۔

اسلام اور برتھ کنٹرول

سوال

دُنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے آج اسلام کیا حل پیش کرتا ہے ؟

(۱) برتھ کنٹرول (پیدائش روکنے) کے لئے دواؤں کا استعمال، فیملی پلاننگ وغیرہ کو کیا آج بھی غیر شرعی قرار دے کر ممنوع قرار دیا جائے گا ؟

جواب

دُنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے اسلام صرف ایک ہی حل پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے رزق کے لئے جو ذرائع پیدا کئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور استعمال کرنے کی کوشش کی جائے اور جو ذرائع اب تک مخفی ہیں ان کو دریافت کرنے کی پیہم سعی کی جاتی رہے۔ آبادی روکنے کی ہر کوشش، خواہ وہ قتلِ اولاد ہو یا یا اسقاطِ حمل یا منع حمل، غلط ہے اور بے حد تباہ کن۔ ضبطِ ولادت کی تحریک کے چار نتائج ایسے ہیں جن کو رونما ہونے سے کسی طرح نہیں روکا جا سکتا (۱) زنا کی کثرت (۲) انسان کے اندر خود غرضی اور اپنا معیارِ زندگی بڑھانے کی خواہش کا اس حد تک ترقی کر جانا کہ اسے اپنے بوڑھے ماں باپ اور [illegible] بھائیوں اور اپنے دوسرے محتاج امداد رشتہ داروں کا وجود [illegible] جو آدمی اپنی روٹی میں خود اپنی اولاد کو شریک کرنے [illegible] کیسے شریک

کر سکے گا۔ (۳) آبادی کے اضافے کا کم سے کم مطلوب معیار بھی جو ایک قوم کو زندہ رکھنے کے لئے ناگزیر ہے برقرار نہ رہتا۔ اس لئے کہ جب یہ فیصلہ کرنے والے افراد ہوں گے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں اور کتنے نہ کریں اور اس فیصلہ کا مدار اس بات پر ہوگا کہ وہ اپنے معیارِ زندگی کو نئے بچوں کی آمد کی وجہ سے گرنے نہ دیں تو بالآخر وہ اتنے بچے بھی پیدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے جتنے ایک قوم کو اپنی قومی آبادی برقرار رکھنے کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں کبھی کبھی نوبت یہ بھی آجاتی ہے کہ شرح پیدائش شرح اموات سے کمتر ہو جاتی ہے چنانچہ یہ نتیجہ فرانس دیکھ چکا ہے حتیٰ کہ اس کو "بچے زیادہ پیدا کرو" کی تحریک چلانی پڑی اور انعامات کے ذریعہ سے اس کی ہمت افزائی کرنے کی ضرورت پیش آگئی۔ (۴) قومی دفاع کا کمزور ہو جانا۔ یہ نتیجہ خصوصی طور پر کسی ایسی قوم کے لئے بے حد خطرناک ہے جو اپنے سے تیرہ گنی زیادہ دشمن آبادی میں گھرا ہوا ہو۔ پاکستان کے تعلقات پڑوسی ملکوں کے ساتھ جیسے کچھ ہیں سب کو معلوم ہے۔ اور امریکہ کی "دوستی" نے کمیونسٹ ممالک سے بھی اس کے تعلقات خراب کر دیئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہندوستان، چین، روس اور افغانستان کی آبادی ہم سے تیرہ گنی ہے ان حالات میں لڑنے کے قابل افراد کی تعداد گھٹانا جیسی کچھ عقلمندی ہے اسے ایک صاحبِ عقل آدمی خود سوچ سکتا ہے۔

لاش کی چیر پھاڑ اسلامی نقطۂ نظر سے

زندگی میں آنکھوں کا عطیہ

خدمتِ خلق کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی ؟

سوال

کیا ایک مُسلمان زندگی میں اپنی آنکھیں عطیہ کر سکتا ہے کہ اس کی موت کے بعد وہ کسی اندھے یا مریض کے لئے استعمال ہو سکیں؟

(ا) اس طرح بنی نوعِ انسان کی خدمت کے لئے انسانی اعضاء کی قربانی روزِ قیامت سزا کی مستوجب تو نہ ہوگی ؟

(ب) موت کے بعد ایک مسلمان کی لاش کا پوسٹ مارٹم یا ریسرچ کے لئے چیر پھاڑ مذہبی نقطۂ نگاہ سے کیا اہمیت رکھتی ہے؟

جواب

آنکھوں کے عطیہ کا معاملہ صرف [illegible] تک ہی نہیں [illegible] سے دوسرے اعضاء بھی مریضوں کے کام [illegible] بھی کئے جا سکتے ہیں۔ یہ دروازہ اگر کھولا جائے تو [illegible] ئے گا۔ اس کا سارا

جسم ہی چندے میں تقسیم ہونا شروع ہو جائے گا! اسلامی نظریہ یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ مرنے سے قبل اپنے جسم کو تقسیم کرنے یا چندہ دینے کی وصیت کرے۔ جسم اس وقت تک اس کے تصرّف میں ہے جب تک وہ جسم میں خود رہتا ہے۔ اس کے نکل جانے کے بعد اس جسم پر اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس معاملہ میں اس کی وصیت نافذ ہو۔ اسلامی احکام کی رُو سے اس کا جسم احترام کے ساتھ دفن کر دینا چاہیئے۔

اسلام نے انسانی لاش کی حرمت کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل انسانی جان کی حرمت کا ایک لازمہ ہے۔ ایک دفعہ اگر انسانی لاش کا احترام ختم ہو جائے تو بات صرف اس حد تک محدود نہ رہے گی۔ کہ مُردہ انسان کے بعض کار آمد اجزا، زندہ انسانوں کے علاج میں استعمال کئے جانے لگیں گے، بلکہ رفتہ رفتہ انسانی جسم کی چربی سے صابُن بھی بننے لگیں گے، (جیسے کہ فی الواقع جنگِ عظیم نمبر ۲ کے زمانے میں جرمنوں نے بنائے تھے) انسانی کھال بھی اتار کر اس کو دباغت دینے کی کوشش کی جائے گی تاکہ اس کے جوتے یا سوٹ کیس یا منی پرس بنائے جا سکیں (چنانچہ یہ تجربہ بھی چند سال قبل مدراس کی ایک ٹینری کر چکی ہے) انسان کی ہڈیوں اور آنتوں اور دوسری چیزوں کو استعمال کرنے کی بھی فکر کی جائے گی، حتیٰ کہ اس کے بعد ایک مرتبہ انسان پھر اس دورِ وحشت کی طرف پلٹ جائے گا جب آدمی، آدمی کا گوشت کھاتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اگر ایک دفعہ مردہ انسان کے اعضاء نکال کر علاج میں [illegible] کہ ناجائز قرار دے [illegible] جائے تو پھر کس جگہ حد بندی کر کے آپ اسی جسم کے دوسرے [illegible] کس منطق سے اس بندش کو معقول ثابت

بلند پایہ اسلامی کتابیں

● **قرآنی تعلیمات :** محمد یوسف اصلاحی
حصہ اوّل =/۱۰ حصہ دوم =/۱۰ مجلد رنگین 22/50

● **داعیٔ اعظمؐ :** محمد یوسف اصلاحی
سیرتِ رسولؐ پر لاجواب کتاب۔ قیمت -/7

● **تفسیر سورۂ یٰسٓ :** محمد یوسف اصلاحی
نہایت عام فہم مؤثر اور دل تشریح (زیرِ طبع)

● **جلوۂ فاراں :** محمد عنایت اللہ سبحانی
غزوات پر خصوصی مجموعہ۔ قیمت -/3

● **انوار القرآن :** محمد ادریس صاحب
قیمت صرف =/ 6

● **مجاہد کی اذاں :** محمد عنایت اللہ سبحانی
مع پلاسٹک کور قیمت صرف -/13

● **گلدستۂ حدیث :** محمد یوسف اصلاحی
چالیس حدیثوں کا مجموعہ، جیبی سائز۔ قیمت 3/25

● **ذکرِ رسولؐ :** مختصر مگر بہت ہی مؤثر کتاب
انوکھے انداز میں سیرت کا بیان -/1

● **حدیثِ رسولؐ** (اُردو) روزمرّہ کے
کے کام آنے والی چالیس حدیثیں۔ -/75

● **شخصیات :** سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
قیمت صرف -/14

● **رسولؐ کی تعلیم :** مولانا مودودیؒ
کی منتخب کردہ تیس حدیثوں کی تشریح -/70

● **مکاتیب سیّد مودودیؒ،**
حصہ اوّل -/9 حصہ دوم -/13

● **تصریحات :** تحریکی طلبہ اور نوجوانوں کے
سوالات اور مولانا مودودیؒ کے جوابات

● **اسلامی معاشرہ :** محمد یوسف اصلاحی
قیمت -/10

● **۵۔اے ذیلدار پارک**
یوسف اصلاحی
-/11

مولانا مودودیؒ کی عصر
اوّل -/14 دوم

- **روشن ستارے** : محمد یوسف اصلاحی
  نوجوانوں کے لئے خصوصی تحفہ۔ زیر طبع
- **خاتونِ خانہ** : خواتین کے پردے وغیرہ سے متعلق نہایت مفید کتاب۔ -/5
- **مختصر احکامِ حج** محمد یوسف اصلاحی
  قیمت صرف 2/75
- **یاایّہاالنّاس** انبیاء علیہم السّلام کی ایمان افروز تقریریں (زیر طبع)
- **صحیح تصوّرِ دین** : محمد یوسف اصلاحی
  قیمت صرف 75/-
- **خط کیسے لکھیں؟**
  قیمت صرف -/1
- **یادِ رفتگاں** : محمد یوسف اصلاحی
  قیمت صرف 1/25
- **تحفّظ گائے اور ہندوستانی مسلمان**
  اپنے موضوع پر بصیرت افروز کتاب۔ قیمت 1/25
- **آدابِ زندگی** : محمد یوسف اصلاحی
  قیمت -/5
- **آسان فقہ** : محمد یوسف اصلاحی
  حصّہ اوّل (زیرِ طبع) حصّہ دوم (زیر طبع)
- **فقہِ اسلامی** : محمد یوسف اصلاحی
  قیمت صرف -/6
- **قافلۂ حق** : تحریکی رفقاء کے لئے
  مفید کتاب۔ قیمت صرف 1/25
- **شہسوار** : حضرت خولہ کی جانبازی اور سرفروشی کی داستان۔ قیمت -/2
- **راہِ حق کے دو مسافر**
  قیمت صرف -/3
- **ابن مبارک** : محمد یوسف اصلاحی
  قیمت صرف -/2
- **بھوت کا ڈر** بچوں کے لئے
  اصلاحی ناول قیمت 1/50

مکتبہ [illegible] یوپی، ۲۴۴۹۰۱
MAKTABA [illegible] 244901